جدید ریاست علم دین کو علم ہی نہیں سمجھتی نہ عالم کو عالم

علماء کی تنخواہیں سب سے کم کیوں ہیں؟

علم وہ ہے جس کی Exchange Value ہو

سید خالد جامعی

کتاب محل

علماء کی تنخواہ

سید خالد جامعی

کتاب محل

آپ نے کبھی اس سوال پر غور کیا کہ پاکستان میں علماء کے معاوضے مشاہرے تنخواہیں سب سے کم کیوں ہیں؟ اتنے کم کہ اگر آپ سنیں تو آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں؟ ایک بڑے مدرسے کے شیخ الحدیث کی تنخواہ صرف پندرہ ہزار روپے ہے مگر یہی محترم مکرم شیخ الحدیث اسی علم اور اسی جسم کے ساتھ کسی یونیورسٹی کی ملازمت قبول کر لیں تو تنخواہ ڈیڑھ لاکھ روپے ہو جاتی ہے آخر کیوں؟ سرکاری اداروں کے چپراسی کی تنخواہ اور مراعات ان محترم شیخ الحدیث سے کئی گنا زیادہ ہیں اس کے ساتھ بے شمار مراعات، سہولیات بھی ایک عالم کی یہ توقیر۔ اور ایک جاہل کی یہ عزت۔ اکیسویں صدی میں پندرہ ہزار روپے میں گزارہ کرنے والے اتنے بڑے عالم سے بڑا درویش صوفی اہل اللہ کون ہو سکتا ہے؟

چپراسی اور شیخ الحدیث کی تنخواہوں میں اس فرق کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دین کو جدید ریاست علم ہی نہیں سمجھتی لہٰذا اس علم کے حامل کو عالم نہیں سمجھتی جاہل سمجھتی ہے۔ یہ عالم دین اگر اسی علم اور جسم کے ساتھ حاضر و موجود باطل نظام کے کسی بھی ادارے کی خدمت کرنے کے لئے آمادہ ہو اور اس نظام کا حصہ بننے، اس میں سمونے اور اس نظام کی اسلام کاری کر کے اس باطل پر الحق کا رنگ چڑھانے کا کام کرنے پر آمادہ ہو تو ریاست، قومی و بین الاقوامی ادارے اس عالم دین کو اعلیٰ ترین معاوضے اور مراعات دیتے ہیں لیکن اگر وہ اس نظام کے عہدے ترک کر دے تو پھر اسے نان جویں کا محتاج ہونا پڑتا ہے لہذا نظام حاضر و موجود سے جو بھی باہر ہے وہ زندہ رہے یا نہ رہے یہ جدید ریاست کا مسئلہ نہیں ہے۔

جدید ریاست صرف علوم عقلیہ (Science of Social Sciences) کے عالم کی سرپرستی کرتی ہے جو روشن خیال ہوتا ہے۔ کیونکہ کانٹ کے بعد علم وہ ہے جو عقلیت [Rationalism] اور تجربیت [Empiricism] کے پیمانوں پر پورا اتر سکے اور اس کو ریاضی کی زبان میں بیان کیا جا سکے۔ لہٰذا اصل العلوم [Suprem Knowledge] اور العلم صرف سائنس ہے۔ لہٰذا کانٹ کے بعد دنیا کے ہر علم کو صرف اور صرف سائنس کے پیمانے پر پرکھا جاتا ہے۔ کانٹ نے اپنے مضمون what is enlightenment میں لکھا ہے کہ جو شخص وحی الٰہی، عالم دین کا انکار کرتا ہے اور ان سے ہدایت نہیں لیتا وہی روشن خیال [Enlightened Modren] ہے۔ وہی انسان ہے وہی عالم ہے یعنی عالم دین تو جاہل ہے اور حقوق Rights بھی صرف روشن خیال انسان Human کے ہوتے ہیں۔ تمام روایتی تہذیبوں میں علم دین، مابعد الطبیعات کے فاضل اور فلسفی کو عالم سمجھا جاتا تھا۔ انسان اور علم وہی ہے جو جدیدیت کی طے شدہ تعریف پر پورا اترتا ہو جو انسان نہیں اس کے حقوق Rights بھی نہیں ہیں۔ اسے کیڑے مکوڑوں کی طرح قتل کیا جا سکتا ہے، مسلمان، انسان کی تعریف پر پورے نہیں اترتے۔ وہ انسان بن جائیں۔ عہد حاضر میں اگر کوئی علم سائنس سے کمتر ہے تب بھی وہ اپنے ساتھ سائنس کا سابقہ لاحقہ لگا کر ہی عزت حاصل کر سکتا ہے لہٰذا Humanties کے مضامین کو اب سوشل سائنس، علم کتاب خانہ کو لائبریری سائنس انسانی مزاج رویوں کے علم کو Behaverial science کہہ کر ان علوم کا درجہ بلند کر دیا جاتا ہے مذہبی علوم جنہیں بعض جدیدیت پسند علماء، روایت کا مکتبہ فکر، ڈاکٹر حسین نصر اور ڈاکٹر مظفر اقبال Islamic sciences کہہ کر علوم وحی کا درجہ پست ترین علوم کے برابر کر دیتے ہیں۔ اس پستی میں اترنے کے باوجود ان تمام دینی علوم کو کوئی علم یعنی سائنس نہیں مانتا لہٰذا ریاست ان علوم سے لاتعلقی کا اظہار کرتی ہے۔ خلافت عثمانیہ تک دین کی سرپرستی خلافت کرتی تھی لہذا علماء خوشحال تھے اب سائنس کی سرپرستی ریاست کرتی ہے لہذا سائنس و سوشل سائنس کے تمام علماء خوش حال ہیں، دینی علوم کے علماء کا مرتبہ گرا دیا گیا۔ جدید ریاست سائنس کی سرپرستی ختم کر دے تو سائنس کا غبارہ ایک دن میں پھٹ جائے۔ Against Method میں فیرا ربینڈ یہی مطالبہ کرتا ہے۔ جدید علم وہ ہے جو فروخت ہو سکتا ہو جس کی شرح مبادلہ Exchange Value ہو جو خریدا اور بیچا جا سکے، جو درآمد اور برآمد (Export/ Import) ہو سکے۔ علم دین کی کوئی شرح تبادلہ نہیں، اس سے سرمایہ پیدا نہیں ہوتا یہ بیچا اور خریدا نہیں جا سکتا لہذا یہ علم نہیں___ جو شے علم نہیں اس کے حامل کو جدید ریاست اسی کے حال پر چھوڑ دیتی ہے، وہ جس طرح بھی زندگی بسر کرے یہ جدید ریاست کا مسئلہ ہی نہیں ہے پاکستانی ریاست مدارس مساجد علماء سے بالکل لاتعلق ہے، اسے علماء عزیز ہی نہیں ہیں مگر یہ علماء پھر بھی اس ریاست کی ہر مشکل وقت میں مدد کرتے رہتے ہیں۔

علما کی تنخواہ

سیّد خالد جامعی

پرنٹ لائن

فہرست

علماء کا مکان (جگہ Space) بدلنے سے مقام (معاشی مرتبہ Status) کیوں بدل جاتا ہے؟

ہمارے علماء کی تنخواہیں دنیا میں سب سے کم کیوں ہیں؟

علماء کے معاوضے پاکستان میں سب سے کم کیوں ہیں یہ ہماری عظیم

اسلامی ریاست کا مسئلہ کیوں نہیں ہے؟

شیخ الحدیث کی تنخواہ پندرہ ہزار روپے ہے مگر یہی محترم مکرم شیخ الحدیث اسی علم اور اسی جسم کے ساتھ کسی یونیورسٹی کی ملازمت قبول کرلیں تو تنخواہ ڈیڑھ لاکھ روپے ہوجاتی ہے آخر کیوں؟

سرکاری ادارے کے ایک جاہل چپراسی کی تنخواہ مراعات، سہولتیں، فوائد بڑے بڑے علماء سے جو کئی زبانوں کے ماہر اور علم وتقویٰ کا بے مثال نمونہ ہیں ان سے کئی گنا زیادہ کیوں ہیں آخر ان میں کیا سرخاب کا پر لگا ہوا ہے؟

صحابہ، تابعی، عامی، عارف، کافر سب کے اجتہاد صرف دلیل کی بنیاد پر ہوتے ہیں جس کی دلیل مضبوط ہوگی اس کا اجتہاد قبول کیا جائے گا خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو غامدی صاحب مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۵۵ اسی کتاب مقامات میں چند صفحات کے بعد بالکل درست بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں اجتہاد میں رہنمائی کے لیے امت کے علماء سے رجوع کیا جاتا ہے غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۶۲

دور حاضر میں زیادہ تر اجتہادات غیر مسلموں نے کیے ہیں اور علماء انھیں تسلیم کرتے ہیں غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۵۵

جدید سائنس، ٹیکنو سائنس، سائنٹفک امپریل ازم کی حقیقت اور غامدی صاحب کی سائنس سے مرعوبیت

محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور؟ [قسط نمبر ۵۲]

سیّد خالد جامعی

ہمارے علماء کی تنخواہیں دنیا میں سب سے کم کیوں ہیں؟

آپ نے کبھی اس سوال پر غور کیا کہ پاکستان میں بڑے بڑے مکرم محترم معظم علماء کے معاوضے مشاہرے تنخواہیں سب سے کم کیوں ہیں؟ اتنے کم کہ اگر آپ سنیں تو آپ کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں؟ اتنے کم معاوضوں کے باوجود یہ مدارس مساجد اور یہ محترم مکرم معظم علمائے کرام بغیر کسی شکایت، اعتراض، احتجاج کے دین کی خدمت پورے ذوق وشوق اہتمام و انصرام کے ساتھ انجام دے رہے ہیں صبر وشکر کی اسلامی اصطلاحات کا عملی نمونہ اس عہد میں یہی علماء کرام ہیں چند سال پہلے کی بات ہے ہم نے ذاتی طور پر معلوم کیا تو یہ بات ہمارے علم میں آئی کہ ایک بہت بڑے مدرسے کے محترم شیخ الحدیث کی تنخواہ صرف پندرہ ہزار روپے ماہانہ تھی۔ حالانکہ وہ محترم عالم عربی، فارسی، اردو، پنجابی، پشتو اور ترکی زبان بھی جانتے تھے۔ وہ انگریزی سے بھی بہت اچھی طرح واقف تھے۔ سرکاری اداروں کے ایک جاہل، غبی، کندنا تراش چپراسی کی تنخواہ اور مراعات ان محترم شیخ الحدیث سے کئی گنا زیادہ ہیں اس کے ساتھ بے شمار مراعات، سہولیات، الگ ہیں مثلاً علاج معالجہ کی مفت سہولت، رہائش گاہ، مختلف الاؤنسز، ریٹائرمنٹ کے بعد پنشن بچوں کی نوکری کی ضمانت وغیرہ وغیرہ۔

اللہ والے، صابر وشاکر کون لوگ ہیں؟ لوگ علماء کو دیکھیں

ہمارے علماء وہ جو اپنے خود اختیاری فُقر پر فخر کرتے ہیں

ایک اسلامی مملکت میں جسے دعویٰ ہے کہ وہ ریاست مدینہ کے بعد دنیا کی پہلی نظریاتی اسلامی مملکت ہے اس عظیم اسلامی مملکت میں ایک عالم کی یہ توقیر۔ اور ایک جاہل کی یہ عزت۔ اکیسویں صدی میں پندرہ بیس ہزار روپے میں گزارہ کرنے والے اتنے بڑے عالم سے بڑا درویش صوفی اہل اللہ کون ہوسکتا ہے؟ جو مدرسے اور مسجد کو خیر آباد کہہ کر کسی سرکاری غیر سرکاری کثیر القومی ادارے میں ملازمت کرے تو اسے نہایت آرام سے ڈیڑھ لاکھ روپے ماہانہ، شاندار رہائش گاہ، ایر کنڈیشنڈ کمرہ، دیگر بے شمار سہولیات نہایت آرام سے مل سکتی ہیں لیکن کوئی شیخ الحدیث اپنے مدرسے مسجد کو چھوڑ کر کسی سرکاری ادارے کسی کارپوریشن، کسی ملٹی نیشنل میں فرائض انجام دینے پر آمادہ نہیں ہوتے اس توکل بے نیازی اور دنیا سے بے پروائی کا راز ان کے اس ایمان ویقین میں پوشیدہ ہے جو اسلامی علمیت نے عطا کیا ہے لیکن بنیادی سوال یہی ہے کہ علماء کے

معاوضے کیوں اتنے کم ہیں؟ علماء اتنے کم معاوضوں کے باوجود شب وروز دین کی خدمت میں مصروف ہیں وہ کبھی ان قلیل معاوضوں پر کوئی احتجاج حرف شکایت تک زبان پر نہیں لاتے آخر کیوں؟ توکل، صبر شکر کی اصطلاحات کا عملی نمونہ کیا عہد حاضر میں ان قلیل المشاہرہ علماء کے سوا کوئی اور ہوسکتا ہے؟ لوگ درویش صوفی اہل اللہ کا پوچھتے ہیں کہ عصر حاضر میں اللہ والے نہیں ملتے۔ وہ جا کر ان علماء کو دیکھ لیں منہج اہل سنت کے اکثر علماء آپ کو اسی حال میں ملیں گے۔ خوارج، معتزلہ، شیعہ مکاتیب فکر کے اکثر علماء کے اکثر احوال سے ہم واقف نہیں لیکن ماضی میں ان مکاتب فکر کے علماء بھی عبادات وریاضت میں بے مثال تھے خوارج جیسا فرقہ جس نے جناب سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ اور سیدنا حضرت امیر معاویہؓ کی تکفیر کی ان کے قتال کا حکم دیا اور اپنے سوا پوری امت کو کافر قرار دیا ان کے آئمہ بھی سادگی، درویشی اور فقر واستغناء کا بے مثال نمونہ تھے عہد ماضی کے خوارج، معتزلہ کے علماء عہد حاضر کے جدید خارجیوں اور معتزلیوں سے بالکل مختلف تھے ان کے اختلافات اور انحرافات ان کے اخلاص اور اندرونی تقاضوں سے ابھرے تھے ان کے تفردات ان کے داخلی بحران کا نتیجہ تھے وہ کسی بیرونی طاقت، کسی کافر سلطنت کی تقلید کے لئے اجتہاد نہیں کر رہے تھے عہد حاضر کے خوارج اور معتزلی عالمی استعمار کے نمائندے ہیں ماضی کے خوارج معتزلہ کا کلمہ حق تھا مقصد باطل، عہد حاضر کے خوارج ومعتزلہ کا کلمہ بھی باطل ہے اور مقصد بھی باطل۔ یہ استغنا، بے نیازی، فقر اپنے خود اختیاری فقر پر فخر۔ اس مسند کی برکت ورحمت کا صلہ ہے جس پر یہ رونق افروز ہیں۔ یہی علماء ہیں جو شب وروز دین کی نشر واشاعت میں مصروف ہیں۔ یہ اللہ کے کام میں ایسے مشغول ہیں کہ معاش کمانے کے لئے فرصت نہیں یہ خود دار ہیں سوالی نہیں انہی کے بارے میں قرآن نے صبح محشر تک امت کو حکم دیا ہے کہ ان کو تلاش کرو اور ان کی آبرومندانہ، استعانت کرو یہ فریضہ ہے اور اس کا حکم امت کے ہر فرد کو اللہ نے اللہ والوں کے لئے دیا ہے لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ [۲:۲۷۳] قرآن نے علماء کی خدمت کرنے والوں، اللہ کی راہ میں انفاق کرنے والوں کو۔۔۔ انفاق کے بعد نہایت سختی سے احسان جتانے کی ممانعت کی ہے اس سے بہتر ہے کہ یہ احسان ہی نہ کیا جائے اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا

يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ [۲:۲۶۲، ۲۶۳] احسان جتانے سے یہ نیکی، نیکی نہیں رہتی گناہ کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ [۲:۲۶۴]

علماء کی ضروریات کا خیال رکھنا ضروریات دین میں شامل ہے

یہی وہ عزت مند، خود دار علماء اور ان علماء کے مقلدین ہیں جو کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے نہ سوال کرتے ہیں نہ کسی سے چمٹ کر کچھ طلب کرتے ہیں قرآن نے ان سب کو "قانع" کہہ کر پکارا ہے۔ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ [۲۲:۳۶] قرآن نے علماء کو اقربین، ابن السبیل، مسکینوں، چمٹ کر مانگنے والوں، سائلین اور معتر کے زمرے میں شامل نہیں کیا۔

یہ وہ علماء ہیں جن کو سوال کرنے یا ہاتھ پھیلانے کی اجازت نہیں یہ اصحاب صفہ کے وارث اور رسالت مآب کی مسند کے جانشین ہیں۔ یہ وہ عظیم لوگ ہیں جنہیں اپنے فقر پر فخر ہے اس خود اختیاری فقر کے راستے پر وہ خوش ہیں، شاکی نہیں۔

ان علماء سے محبت ان کی تقلید، ان کی خدمت دین کا تقاضہ ہے ان کی ضروریات کا خیال رکھنا بھی ضروریات دین میں شامل ہے انھیں دنیا کی مصروفیات مشاغل سے فارغ کر کے فارغ البال، مرفع الحال اور خوش حال رکھنا اس امت کی ذمہ داری ہے اور ہر اسلامی حکومت کی اساسی ذمہ داری ہے۔ کیا ہماری ریاست یہ کام کر رہی ہے؟

کانٹ کے بعد دین نہیں عقلیت و تجربیت علم سمجھے جاتے ہیں

دینی علوم کے علماء کو دنیا کی ہر جدید ریاست جاہل سمجھتی ہے

عرب ممالک میں علماء کے معاوضے اصولی طور پر نہیں روایتی طور پر بہت زیادہ ہیں کیوں کہ عرب معاشروں میں مذہبی روایت تمام تر جدیدیت، سیکولرازم، لبرل ازم کے باوجود

ایک قوت ہے علماء کا خاص اثر ہے اور لہٰذا اعلماء کی عزت کرنے پر ریاست فی الحال خود کو مجبور پاتی ہے لیکن رفتہ رفتہ یہ برف پگھل رہی ہے لوگ لبرل ہو رہے ہیں علماء کی گرفت کم زور ہو رہی ہے مگر پاکستان اور ہندوستان اور دنیا کے دیگر ممالک میں علماء کے معاوضوں کی صورت حال ٹھیک نہیں ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دین کو کوئی بھی ریاست علم نہیں سمجھتی لہٰذا اس علم کے حامل کو عالم نہیں سمجھتی جاہل سمجھتی ہے۔

مغرب کے اکثر ممالک میں جدیدیت کے فلسفے کے بعد مذہب ریاست سے ہی نہیں لوگوں کی ذاتی زندگی سے بھی بے دخل ہو گیا اکثر لوگ لبرل ہو گئے لہذا کلیسا بند ہونے لگے کیوں کہ کلیسا کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں رہا، پہلے ریاست، کلیسا کی سرپرستی کرتی تھی عوام دین سے محبت رکھتے تھے لہٰذا ۱۷۹۶ تک یورپ کی تین چوتھائی زمین کلیسا کی ملکیت تھی جو خدمت خلق کے کاموں میں استعمال ہوتی تھی۔ لوگ مرنے سے پہلے جائداد کلیسا کے سپرد کر دیتے تھے آج یورپ میں ہر مہینے کلیسا فروخت ہوتے ہیں الحمد اللہ عالم اسلام میں یہ صورت حال ابھی پیدا نہیں ہوئی لیکن ٹیکنو سائنس، ترقی، آزادی، مساوات کے عقیدوں کی مزاحمت نہیں کی گئی تو یہی صورت حال یہاں رونما ہو کر رہے گی۔

جدید ریاست صرف دنیاوی علم کی اور علوم عقلیہ کے عالم کی سرپرستی کرتی ہے کیونکہ کانٹ کے بعد علم وہ ہے جو عقلیت [Rationalism] اور تجربیت [Empiricism] کے پیمانوں پر پورا اتر سکے اور اس کو ریاضی کی زبان میں بیان کیا جا سکے۔ لہٰذا اصل العلوم [Suprem Knowledge] اور العلم صرف سائنس ہے۔ لہٰذا کانٹ کے بعد دنیا کے ہر علم کو صرف اور صرف سائنس کے پیمانے پر پرکھا جاتا ہے۔ اٹھارویں صدی سے پہلے سائنس، فلسفے کی ایک شاخ تھی یعنی طبیعات، علوم عقلیہ کا تعلق مابعد الطبیعیات سے تھا اس وقت کوئی سائنس داں نہیں تھا صرف فطرت کے فلسفی Natural Philospher ہوتے تھے جو بعد میں سائنس دان کہلائے۔ سائنس خود فلسفہ نہیں فلسفے کا ایک جزو [Science was part of Philosophy] تھی لیکن بیسویں صدی میں فلسفہ سائنس کی [Philosophy of Science] تخلیق کے بعد سائنس نے اپنا راستہ خود نکال لیا ہے کیوں کہ محض فلسفہ بھی سائنس کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ کانٹ کا فلسفہ انٹرنیٹ پر اس کے مضمون what is

enlightenment میں پڑھا جا سکتا ہے جس میں اس نے واضح طور پر لکھا ہے کہ جو شخص وحی الٰہی، عالم دین کا انکار کرتا ہے اور ان سے ہدایت نہیں لیتا وہی روشن خیال [Enlightened Modren] ہے اور ہر وہ شخص جو اپنے اندرون اپنی عقلیت سے رہنمائی کے لیے رجوع نہیں کرتا علم کے حصول کے خارجی ذرائع آسمان وحی، عالم سے رجوع کرتا ہے وہ روشن خیال نہیں ہے۔

روشن خیالی کے فلسفے کی تفصیلات کے لیے Allex Callinicos کی کتاب Social Theory A Historical Introduction پڑھیے یا ہمارے شاگرد ظفر اقبال صاحب کی کتاب اسلام اور جدیدیت کی کشمکش کا مطالعہ کیجئے۔

کسی علم کو عزت تب ملتی ہے جب وہ سائنس کے ساتھ جڑ جائے

عزت وذلت کا پیمانہ کسی علم کا سائنسی ہونا یا سائنسی نہ ہونا ہے

عہد حاضر میں اگر کوئی علم سائنس سے کمتر ہے تب بھی وہ اپنے ساتھ سائنس کا سابقہ لاحقہ لگا کر ہی عزت حاصل کر سکتا ہے لہٰذا Humanties کے مضامین کو اب سوشل سائنس، علم کتاب خانہ کو لائبریری سائنس انسانی مزاج رویوں کو Behavierial science کہہ کر ان علوم کا درجہ بلند کر دیا جاتا ہے چونکہ مذہبی علوم جنھیں بعض جدیدیت پسند علماء Islamic sciences کہتے ہیں ان کو کوئی سائنس نہیں مانتا لہٰذا ریاست ان علوم سے لاتعلقی کا اظہار کرتی ہے۔

اسلام کے ساتھ بدلتے ہوئے علوم عقلیہ کا جوڑ کیا درست ہے؟

عالم اسلام مغرب کے سامنے احساس کمتری کا شکار رہے۔ لہٰذا وہ ہر جدید عقلی علم کے ساتھ اسلام کا ٹکڑا لگا کر مغرب سے اپنے تعلق کو ظاہر کرتا ہے اسلامک سائنس، اسلامک سوشل سائنس، اسلامک پولیٹکل سائنس وغیرہ کو مغرب میں کوئی تسلیم نہیں کرتا نہ ان کی تدریس وہاں کی جامعات میں ہوتی ہے۔

محترم پروفیسر خورشید احمد سے ٹمپا یونیورسٹی کے مکالمے میں شریک ایک ماہر فقہ نے پوچھا تھا کہ جب آپ جدید علوم عقلیہ کے ساتھ اسلامی کا سابقہ، لاحقہ لگاتے ہیں تو کیا علمی طور پر یہ درست طریقہ ہے؟ کیوں کہ اسلام مطلق Absolute ہے اور تمام جدید علوم عقلیہ متغیر changeable جو بدلتے رہتے ہیں تو مطلق کے ساتھ متغیر کا جوڑ کیا عقلی، منطقی طور پر درست

بھی ہے اور کیا یہ اصطلاح اسلامی علمیت میں درست بھی تسلیم کی جا سکتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ دین ایک کلیت ہے لہٰذا اسلامی علمیت میں مغرب کی طرح مختلف علوم ایک دوسرے سے الگ کر کے فرداً فرداً دیکھنے کا رجحان [Compartlization of Knowledge] نہیں پایا جاتا۔ اسلام میں تمام علوم عقلیہ کو ایک کلیت میں دیکھا جاتا ہے اور تمام دائرہ ہائے علم پر العلم کا دائرہ محیط ہے، حاوی ہے، غالب ہے۔ تمام علوم کو پرکھنے کی میزان اور برہان العلم ہے جو قرآن وسنت کے مصادر سے ظہور کرتا ہے۔

فقہ کی کتابوں میں اسلامی معیشت اسلامی سیاست اسلامی بین الاقوامی قانون، کے عنوان سے مباحث نہیں ملیں گے یہ کتاب المعاملات میں نظر آئیں گے۔ وحی الٰہی اور سنت محبوب الٰہی کا دائرہ تمام علوم کا احاطہ کرتا ہے۔ کوئی دائرہ علم اس اصل العلم کے دائرے سے باہر اور اس سے ماورا نہیں۔ ڈاکٹر جابر العلوانی نے امریکا میں اپنے ادارے کے ذریعے جو جدید اسلام پیش کیا ہے اس کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ سائنس، مذہب، فلسفے، عقلی علوم اور وحی سب یکساں مرتبے اور مساوی درجے کے علوم ہیں لہٰذا ہر علم کا اپنا ایک دائرہ ہے کسی دائرہ علم کو کسی دوسرے دائرہ علم میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ یہ وہی بیان ہے جو عیسائیت کی تاریخ میں تھا خدا کا شہر اور انسانوں کا شہر City of God اور City of man الگ الگ ہیں دونوں کے احکامات الگ ہیں دونوں کے طریقے اور زندگی کے اصول مختلف ہیں العلوانی صاحب نے اس بیان کے ذریعے تمام دائرہ ہائے علوم پر اسلامی علمیت کی بالادستی اور حاکمیت کا خاتمہ کر دیا اسی کا نام سیکولرازم ہے کہ تعقل مذہبی [Religious Thinking] زندگی کے ہر دائرے سے خارج ہو جائے۔

علماء کے لیے کفار کے اجتہادات قبول کرنا صحیح رویہ ہے: غامدی

اجتہاد کے لیے دین کے علماء کی طرف رجوع کیا جاتا ہے: غامدی

اس اصول کی بنیاد پر غامدی صاحب نے ہر کافر، مشرک، ملحد، زانی، شرابی، جاہل، اخلاق سے عاری، علم سے خالی شخص کو اجتہاد کی آزادی عطا فرمائی ہے لکھتے ہیں: ترقی کا راز اسی اجتہاد میں پوشیدہ ہے اللہ نے انسان کو علم اور عقل سے نوازا ہے وہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرے زندگی کے معاملات گونا گوں ہیں اور ہر جگہ براہ راست انسان آسمان کی رہنمائی کا محتاج نہیں اجتہاد کے کوئی شرائط نہیں لوگوں کو اجتہاد کرنا چاہیے۔ غامدی مقامات ص ۲۰۱۴ ص ۱۵۴ غامدی

صاحب کا اصول یہ ہے کہ صحابہ تابعی عامی عارف کافر سب کے اجتہادات ایک ہی درجے کے ہوتے ہیں کیوں کہ اجتہاد میں شخصیت کو نہیں صرف دلیل کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ دلیل علم وعقل کے معیار پر پوری اترتی ہو اس اصول کی تقریر مقامات میں اس طرح کرتے ہیں ۔تقلید میں اصل چیز نفس اجتہاد اور اس کا استدلال نہیں مجتہد کی شخصیت ہوتی ہے صحابہ تابعین عامی عارف سب اپنے فیصلوں کی بنیاد دلیل پر رکھیں تو مجتہد کو نہیں اجتہاد کو دیکھا جائے گا کہ وہ علم وعقل کے معیار پر اترتا ہے یا نہیں ۔لہٰذا مسلمان تو ایک طرف کوئی کافر غیر مسلم بھی اجتہاد کر کے کوئی حل پیش کرے تو اسے قبول کیا جائے گا غامدی مقامات ۲۰۱۴ ص ۱۵۵ مزید لکھتے ہیں کہ

دور حاضر میں زیادہ تر اجتہادات غیر مسلموں نے کیے ہیں اور مسلمان بالعموم انھیں تسلیم کیے ہوئے ہیں جمہوریت کا نظام غیر مسلموں نے بنایا ہے اور سب مسلمان اس نظام کو تسلیم کرتے ہیں قرآن وسنت جن امور میں خاموش ہیں ان میں صحیح رویہ یہی ہے اسی پر قائم رہنا چاہیے مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۵۵ لیکن اسی کتاب مقامات میں صرف سات صفحات کے بعد یہ بھی لکھتے ہیں پورا دین قرآن وسنت میں محصور ہے جن معاملات کو ہمارے اجتہاد کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے ان میں بھی رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے اس کے لیے دین کے علماء کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۶۲ پہلے کفار،مشرک کو اجتہاد کی اجازت دی گئی امت کو تلقین کی گئی کہ وہ کافروں کے اجتہادات قبول کرے ان پر عمل کرے یہی صحیح طریقہ ہے مجتہد کے لیے مسلمان عالم ہونا ضروری نہیں ہر کوئی اجتہاد کرے اب فرمارہے ہیں کہ اجتہاد کے لیے دین کے علماء کی طرف رجوع کیا جاتا ہے مقامات ص ۱۶۲ غامدی صاحب کے یہ اصول بھی ان کے دین کے غلط سلط متضاد اصولوں کی طرح oxymoron ہیں۔

طبیعیات،علوم عقلیہ، مابعد الطبیعات سے ہی نکلتے ہیں

یہ بات بالکل واضح ہے کہ فنون اور علوم عقلیہ ہمیشہ اپنی مابعد الطبیعات سے متعین ہوتے ہیں یعنی علم الطبیعیات (Physics) علم مابعد الطبیعیات سے (Metaphysics) الگ نہیں ہوسکتا۔

پوری تاریخ انسانی میں اور تمام تہذیبوں میں آزادی اور ترقی کی اصطلاح ناپید ہے۔Gilbert Rist نے اپنی کتاب History of Development میں تمام

حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ تاریخ میں ترقی کی اصطلاح کا وجود ہی نہیں ملتا کیونکہ اصطلاح اپنی تاریخ تہذیب، مابعد الطبیعیاتی اساسات سے نکلتی ہے Sophists سے پہلے اور لوتھر کے دنیا پرستی کے مذہب سے پہلے تاریخ انسانی کی کسی تہذیب معاشرے نے دنیا پرستی کو الخیر نہیں سمجھا لہٰذا ان کے یہاں ترقی، معیار زندگی میں مسلسل مستقل اضافہ، مستقل آمدنی کا ذریعہ، اور دولت سے دولت کشید کرنے کی کوئی مذہبی اخلاقی روایت نہیں ملتی۔

فنون وعلوم عقلیہ [Science, Art & Craft] مقصد نہیں آخرت کے حصول کا ذریعہ ہیں

جیسا عقیدہ ہوگا اس عقیدے، ایمانیات سے ویسا ہی علم برآمد ہوگا عقیدہ آزادی ہوگا تو آزادی کے علوم عقلیہ وہ نہیں ہوں گے جو عبدیت کی مابعد الطبیعیات کے علوم عقلیہ ہوں گے۔کیوں کہ تمام علوم عقلیہ خود بذاتہ مقصد نہیں [End in themselves] نہیں بلکہ کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ Mean to an end ہیں لہٰذا اسلامی علمیت ، اسلامی خلافت امارت ریاست سلطنت میں علوم عقلیہ کا اصل مقصد ایمانیات اعتقادات مقاصد شریعت پر عمل میں معاونت مہیا کرنا اور حصول آخرت کے عمل کو آسان سے آسان تر بنانا، نیکی کو ہر حال میں ممکن بنانا اور گناہ کو محال کر دینا ہے۔

مثلاً علم ریاضی خود مقصد نہیں ذریعہ ہے اس ذریعے کا اصل مقصد احکامات شریعت کے اطلاق میں سہولت ہے مثلاً میراث کے احکام، مال غنیمت کی تقسیم، مسجد کی سمت قبلہ، میدان جہاد کا تعین و دیگر سہولیات یعنی عقلی علم مقصود نہیں بلکہ الخیر الحق کے نفاذ اور نفوذ کے لیے تمام عقلی علوم، آلۂ کار، ہتھیار، ذریعہ [Tool/Mean] ہیں ان کے مقام کا تعین [Determination] اسلامی علمیت کرے گی۔

مغربی فلسفے کی یونانی فلسفے کے سامنے کوئی حیثیت نہیں

یونانی مغرب سے زیادہ قاموسی ذہن رکھتے تھے ان کے فلسفے کے سامنے مغرب کے فلسفے کی کوئی حیثیت نہیں مگر وہ بھی عبدیت اور حقیقت [Reality] کا کوئی تصور رکھتے تھے ان کے یہاں خدا [God] کا تصور کسی نہ کسی صورت میں موجود تھا مگر خوف خدا موجود نہ تھا اور خدا کی

رضا کے حصول کا ذریعہ بھی نہیں تھا۔اس کے باوجود ان کے علوم عقلیہ بھی محدود تھے۔کیونکہ وہ آزادی کے عقیدے پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔

آزادی لامحدود ہے تو خواہشات ،علوم اور ان کے لئے سرمایہ سب لامحدود ہوگا اور محدود کبھی لامحدود کی خواہش نہیں کرسکتا یہ عقلی و منطقی طور پر غلط ہے۔یونانی فلسفی کتنے بڑے مقام پر فائز تھے اس کا اندازہ ہمیں آج بخوبی ہوسکتا ہے۔ان کا فلسفہ مغرب کے جدید فلسفے سے کس قدر مختلف تھا یہ بھی واضح ہے۔وائٹ ہیڈ لکھتا ہے کہ جدید مغربی فلسفے کی حیثیت افلاطون کے فلسفے کے فٹ نوٹ سے زیادہ نہیں ہے۔اتنے بڑے قاموسی ،تخلیقی ،صناع ذہن کے باوجود یونانیوں نے تسخیر کائنات کے نام پر تدفین کائنات کا کوئی کام نہیں کیا وہ انسان کو فطرت سے ہم آہنگ رہنے کا سبق دیتے تھے لہٰذا وہ سائنسی تحقیقات کے نام پر فطرت کو کیسے تباہ کرسکتے تھے۔لہٰذا ماحولیاتی آلودگی کا ان کے یہاں امکان ہی نہیں تھا نہ انھوں نے آزادی حاصل کی نہ ترقی کی نہ آلودگی پھیلائی نہ فطرت کو تباہ کرکے فطرت کو بچانے اور آلودگی کم کرنے کے منصوبے پیش کیے ان کے سادہ ، دہقانی ،کوہستانی ،طرز زندگی سے کسی کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔

ایک دن کی صفائی کے لیے ایک کھرب پچھتر ارب لیٹر میٹھا پانی درکار ہے!

ایک کھرب پچھتر ارب لیٹر کو ۳۶۵ سے ضرب دیجیے ایک سال کا پانی کا خرچ

جدید مغرب کے جدید طرز زندگی نے جسے نہایت اعلیٰ صحت مندانہ [Highly Higenic] طرز زندگی سمجھا جاتا ہے اس کرۂ ارضی کو تباہی کے خطرے سے دوچار کردیا ہے پانی کا قحط اسی طرز زندگی کا نتیجہ ہے۔مہذب متمدن شخص مغرب کی نظر میں وہ ہے جو استنجے کے لیے ڈھیلے ،کنکر ،پتھر استعمال نہیں کرتا بلکہ شاور ،نل اور فلش ٹینک استعمال کرتا ہے۔عالم اسلام میں بھی مٹی کے ڈھیلوں کا استعمال تقریباً متروک ہوچکا ہے لیکن اس کی قیمت کیا ہے اس کا کسی کو اندازہ نہیں ہے۔

دنیا کی آبادی سات ارب ہے سات ارب آدمی روزانہ اوسطاً پانچ مرتبہ بول و براز کے لیے بیت الخلاء [Toilet] جاتے ہیں اگر پانچ مرتبہ یہ فلش ٹینک کو چلائیں تو پچیس لیٹر پانی صرف فضلے اور گندگی کو صاف کرنے کے لیے استعمال ہوگا۔نہانے ،دھونے ،کھانے ،پینے ،اور دیگر استعمالات اس کے سوا ہیں۔۲۵ لیٹر میٹھا پانی سات ارب لوگ روزانہ فلش ٹینک کے لیے

استعمال کریں تو ایک دن میں ایک کھرب پچھتر ارب لیٹر پانی صفائی کے لیے درکار ہوگا ایک مہینے میں پانی کی کل کتنی مقدار استعمال ہوگی 30 X ایک کھرب پچھتر ارب لیٹر حساب خود لگائیے کہ ایک سال میں پانی کی کتنی مقدار کی ضرورت ہوگی؟ سوال یہ ہے کہ یہ پانی کہاں سے آئے گا۔دنیا کا تین چوتھائی حصہ نمکین سمندری پانی پر محیط ہے ایک چوتھائی زمین کے کچھ حصہ میں میٹھا پانی ہے اتنا پانی کہاں سے آئے گا اتنی زبردست Hygenic کہ تہذیبی صفائی ہوسکے۔لہٰذا عملی طور پر جدید مغرب کے تمدنی تہذیبی صفائی کے اصول قابل عمل نہیں ورنہ دنیا پیاس سے مرجائے گی۔اس دنیا کو جدیدیت ،پروگریس ،ڈیولپمنٹ ،اور انڈسٹرلائزیشن کے نتیجے میں آنے والے قحط ،بھوک ، پیاس ،تباہی سے صرف اور صرف انبیاء کے طریقے ان کا طرز زندگی بچا سکتا ہے جو دنیا سے سب سے کم تمتع کرتے تھے انبیاء کے معاشرے اصلاً Anti Consumer معاشرے تھے اس معاشرے کے لوگ خراب صارف Bad Consumer تھے کیوں کہ ان کا مقصد یہ دنیا نہیں آخرت تھی عیش کی جگہ ان کے لیے دنیا کا جہنم نہیں جنت ہے وہ دنیا میں ایک مسافر کی طرح قیام کرتے تھے کچھ دیر رک کے پھر آخرت کے سفر پر روانہ ہوگئے مومن کے لیے دنیا قید خانہ (السجن) اور کافر کے لیے جنت ہے لہٰذا یہ کفار ہی ہیں ___ جو ابدی دنیا کا عقیدہ رکھتے ہیں اس زمین کو جنت بنانے کے لیے زمین کو جہنم میں تبدیل کررہے ہیں اس دنیا کو اور اہل ایمان کے ایمان کو ____ اور اس کی زمین پر مخلوقات کی زندگی کو بچانے کے لیے صالحین کی سادہ زندگی کے طریقے ہی کارآمد ہیں ان سے زیادہ سادگی ،ان سے زیادہ دنیا سے گریز ،ان سے زیادہ آخرت کی تیاری کوئی نہیں کرسکتا جو ان طریقوں کو اختیار کرلے اس کے لیے دنیا کے موجودہ وسائل اس کی تمام ضروریات سے ہزار گنا زیادہ ہیں مگر جدید معیشت اس اصول کو تسلیم نہیں کرتی کہ وہ سرمایہ دارانہ نظام کی غلام ہے اور اسی پر یقین رکھتی ہے آج کے تمام مسائل مہنگائی ، بے روزگاری ، غربت ،مسابقت کی دوڑ ،امارت ،عیش وعشرت سب کا محض ایک ہی علاج ہے کہ لوگ رسالت مآبؐ کی سادہ زندگی پر فخر کریں اسے مکمل اختیار کرلیں یہ زمین بھی بچ جائے گی مگر مسلمانوں کو ان طریقوں سے اب حجاب آتا ہے۔

اس دنیا کو تباہی سے صرف انبیاء کی سنتیں بچا سکتی ہیں

رسالت مآبؐ کے گھر میں دو دن چولھا نہیں جلتا تھا۔آپؐ کی خوراک اکثر صرف کھجور ،دودھ ،پنیر وغیرہ تھی یعنی خالص قدرتی خوراک جسے پکانے کی کوئی ضرورت نہیں ___ اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسالت مآبؐ کے گھر میں کئی کئی دن آگ ہی نہیں جلتی تھی تو آلودگی [Polution] کا کیا سوال۔عصر حاضر میں مسلسل چولہے جلنے اور ہر شے میں توانائی کے مسلسل استعمال سے آلودگی بڑھتی رہتی ہے۔

زندگی کا ہر کام ٹیکنو سائنس کرتی ہے جو آلودگی ہی سے چلتا ہے۔نبوی معاشروں میں اس دنیا سے کم سے کم تمتع کیا جاتا ہے لہٰذا وہ معاشرے وسائل کی کمی کا کبھی شکار نہیں ہوئے ان کے پاس وسائل ہمیشہ ضرورت سے زیادہ رہتے ہیں۔یہ جدیدیت کی پیدا کردہ معیشت معاشرت اور تاریخ ہے کہ جو ہمیشہ وسائل کی کمی کا، scarcity کا شکار رہتی ہے۔جدید معیشت اسی فاسد، باطل،لغو،کاذب اصول کے تحت مسلسل پیداوار کا سبق دیتی ہے لہٰذا دنیا میں اور اسلامی معاشروں میں بھی چوبیس گھنٹے صنعتیں چلتی ہیں حالانکہ قرآن کی نص ہے کہ رات آرام کے لیے ہے اور دن کام کے لیے مگر سرمایہ داری پر ایمان رکھنے والے مسلمانوں کے لیے یہ احکامات کوئی اہمیت نہیں رکھتے اور نہ کوئی ان مباحث پر لوگوں کو متوجہ کرتا ہے جب دن رات کام ہوگا تو آلودگی میں اضافہ ہی ہوگا۔

ماہرین کی تحقیق کے مطابق تیسری عالمگیر جنگ پانی کے مسئلے پر ہوگی کیوں کہ پانی مسلسل کم ہو رہا ہے آلودگی سے گلیشئر پگھل رہے ہیں جنگلات اور درختوں کی مسلسل کٹائی سے (جس کا مقصد صنعتی ضرورتیں پوری کرنا ہے) دنیا بنجر ہو رہی ہے لہٰذا بارشیں ختم ہو جائیں گی موسم بدل جائیں گے۔سوال یہ ہے کہ پھر پانی کہاں سے آئے گا؟ اس صدی کے سب سے بڑے سائنسی فلسفی اسٹیفن ہاکنگ نے پیش گوئی کی ہے کہ یہ دنیا زیادہ سے زیادہ ایک ہزار برس تک ہماری ترقی کا ساتھ دے سکے گی پھر فنا ہو جائے گی اور اس کا سبب ٹیکنو سائنس اور سائنٹیفک امپیریل ازم ہے اس کا حل اس نے یہ بتایا ہے کہ دوسرے سیارے زندگی کے لیے تلاش کر لیے جائیں اتنے بڑے فلسفی کی عقل یہ سوچنے سے قاصر ہے سات ارب انسان زمین سے آسمان پر کیسے منتقل ہو سکتے ہیں اس کی لاگت کا کیا ہوگا وہاں کیا حالات ہوں گے ___ وہ اس بات پر غور

کرنے کے قابل نہیں ہے کہ اجنبی سیاروں میں منتقل ہونے کے بجائے اس زمین کے سیارے Plante کو کیوں نہ محفوظ بنایا جائے اور سائنسی ترقی کو ختم کر کے خراب صنعتوں کو بند کر کے سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ کر کے اس کرہ ارضی کو فطرت سے ہم آہنگ کر کے انسانوں کے لیے ایک پرسکون جگہ میں تبدیل کیوں کر دیا نہ جائے مگر سائنسی اور فلسفیانہ ذہن موجود کو موہوم معلوم کو مجہول اور ثابت کو معدوم کرنے کے عظیم فریضے انجام کر دیتا ہے۔

جیرڈ ڈائمنڈ نے اپنی کتاب Collaps The میں سابقہ تہذیبوں کے بارے میں بہت سی معلومات مہیا کی ہیں جن کا انجام انسانی گوشت خوری پر ہوا ___ جب کھانے کو کچھ نہ ملا تو لوگ ایک دوسرے کو کھانے لگے اس نے امریکا کی Inca تہذیب کی تباہی کا ذکر کیا ہے۔یہ تباہی انھوں نے پرانے قدیم ہتھیاروں کے ذریعے کئی سالوں میں حاصل کی۔جدید انسان یہ تباہی اپنے خودکار ہتھیاروں کے ذریعے چند سالوں میں حاصل کر رہا ہے۔قدیم انسان ایک جنگل اپنے روایتی ہتھیاروں سے سو سال میں کاٹتا تھا۔جدید انسان دو راتوں میں سو سال کا کام مشینوں سے مکمل کر دیتا ہے لہٰذا جدیدیت کے ہاتھوں فطرت ،قدرت اس کرہ ارضی کی تباہی کی رفتار بہت زیادہ ہے مغربی تہذیب دنیا کو اسی انجام کی طرف تیزی سے لے کر جا رہی ہے۔

اس وقت پوری دنیا اور پاکستان کو پانی کی قلت کا خصوصی سامنا ہے اس قلت کی اصل وجہ خراج ثقافت Consumer Culture اور تہذیب و تمدن کے نام پر بے تحاشہ صفائی(Cleaning) کا رجحان کیوں کہ یہ صحت مندانہ زندگی Hygenic Life کی علامت ہے حالانکہ مغرب نے جب بڑے بڑے شہر Mega Cities آباد کیے تو بڑے پیمانے پر گندگی، غلاظت، آلودگی، کوڑے کے مسائل پیدا ہوئے ۔آج بھی آپ پاکستان کے دیہاتوں میں چلے جائیں جہاں بلدیاتی نظام موجود نہیں ہے وہاں لوگ اپنی مدد آپ کے تحت صفائی کا خود انتظام کرتے ہیں کہیں کوڑا نظر نہیں آتا۔

آج کل کوڑا بھی صنعت ہے پنگوئین کی کتاب The Waste کوڑے کے موضوع پر اہم ترین کتاب ہے مصنفہ نے تاریخی حوالوں اور اعداد و شمار سے بتایا ہے کہ دنیا کی تمام تہذیبوں نے اجتماعی طور پر کبھی اتنا کوڑا پیدا نہیں کیا جتنا کوڑا جدید انسان ایک سال میں پیدا کرتا ہے وہ لکھتی ہیں کہ ایک کرہ ارضی Planate کے پیدا کردہ کوڑے کو ٹھکانے لگانے کے لیے اس

جیسے دو کرّے Planates درکار ہیں سوال یہ ہے کہ یہ کہاں سے آئیں گے؟ کوڑے کا اصل سبب کارپوریشنوں اور سرمایہ دارانہ نظام کا مسلط کردہ Disposable Culture اور گندگی کا اصل سبب آبادی کا حد سے زیادہ بڑھ جانا ہے مثلاً کراچی کی آبادی دنیا کے ۲۵ ملکوں کے برابر ہے۔اتنی بڑی آبادی ہوگی تو صفائی کا نظام چین کی مدد سے ہی کام کرے گا۔سوال یہ ہے کہ پوری آبادی کو سمیٹ کر یہاں کیوں لایا جارہا ہے یہ ماڈرن ازم کا پیدا کردہ مسئلہ ہے ترقی کے لیے ___ چند شہروں میں تمام وسائل کا ارتکاز __ جیرڈ ڈائمنڈ نے لکھا تھا کہ ۲۰۱۵ء تک دنیا کی ساٹھ فی صد آبادی شہروں میں ہوگی ایسا نہیں ہوسکا سوال یہ ہے کہ دیہاتوں میں کون ہوگا وہاں ملٹی نیشنل کارپوریٹ فارمنگ ہوگی کسان اور چرواہے کی ضرورت نہیں ۔گائے بھینس ایک ہی جگہ بیٹھ کر کیمیائی خوراک کھائیں گی ۔سب کام مشینوں سے ہوں گے انسان نہیں چاہئیں ___ دیہی،زرعی زندگی اور زرعی معیشت کو گھٹیا ترین سمجھنے کے باعث اور خود کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنے کے ساتھ ہی ہر شخص شہروں کا خود بخود درخ کرتا ہے بغیر کسی جبر کے __ ترقی،بہتر مستقبل کی تلاش اور راتوں رات امیر بننے کے لیے ___ ریاست سب سے زیادہ سہولیات،صرف اور صرف شہروں تک پہنچاتی ہے لہٰذا آبادی تیزی سے شہروں میں آنے پر مجبور کردی گئی یہ تمام کام ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت ہوتا ہے اس کے مراحل یہ ہیں (۱) Mass Education ماس ایجوکیشن یہ پہلا مرحلہ ہے۔ جب دیہات کا ہر شخص تعلیم یافتہ ہوگا تو وہ ایک ہی قسم کی مغربی معیشت کے کام کرسکے گا وہ کوٹ ٹائی پہن کر ہوٹلوں میں کھانا کھلائے گا چرواہا نہیں بنے گا۔آج کل پاکستان میں چرواہے نہیں ملتے سب بچے اسکول جاتے ہیں یہ مغرب کا حکم ہے جو اسلام نے بھی تسلیم کرلیا ہے وہ اپنے آبائی خاندانی پیشے اختیار کرنا پسند نہیں کرے گا دیہاتوں میں اکثر لوگوں نے اپنے دودھ والے جانور ملٹی نیشنل کارپوریشن کے سپرد کردیے ہیں ان کو سنبھالنا مشکل کام ہے آزادی متاثر ہوتی ہے لہٰذا دیہات کا پڑھا لکھا کبھی دودھ دوہنے،ہل چلانے،کھیتی باڑی کرنے پر آمادہ نہ ہوگا کیوں کہ وہ تعلیم یافتہ ہے یہ کام تو جاہل،جنگلی،احمق،گنوار کرتے ہیں لہٰذا دیہاتوں سے شہروں کی طرف زبردست نقل مکانی ہوگی یہ دوسرا مرحلہ ہے (۲) یعنی ماس مائیگریشن ___ اس کے نتیجے میں بڑے شہر اور آبادی منصوبہ بندی کے مراحل آئیں گے یعنی تیسرا مرحلہ (۳)

بڑے شہر Mega Cities اربنائزیشن اور ٹاؤن پلاننگ

[Urbanization/Town Planning] اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آبادی کو طبقات کی بنیاد پر تقسیم کردیا جائے گا تمام غریب کنگلے،بھوکے،فقیر،کچی پکی خراب چھوٹی آبادیوں میں تمام امیر صاف ستھری اچھی آبادیوں میں کسی امیر کے محل کے ساتھ غریب کی جھونپڑی نہیں بن سکتی تاریخ انسانی میں کبھی بھی کوئی ایسی آبادی موجود نہ تھی بڑے شہروں اور طبقاتی نظام اس کے نتیجے میں چوتھا مرحلہ آئے گا (۴) یعنی شہروں میں بڑے پیمانے پر Mass Violence کیوں کہ ہر شخص کو اپنے نسلی لسانی گروہ کے خاتمے،اقلیت بننے،حقوق چھننے کا خطرہ پیدا ہوگا اس کے ردعمل میں (۵) پانچواں مرحلہ آئے گا Mass Particepation یعنی جمہوریت میں شراکت یعنی ہر شخص اپنے حقوق کے لیے جمہوری عمل میں حصہ لے گا یعنی حقوق کی سیاست Politicsof Rights کی ثقافت عام ہوگی ہر شخص حرص و ہوس وحسد کا پجاری بن جائے گا یعنی سول سوسائٹی قائم ہوجائے گی سول سوسائٹی سرمایہ دارانہ نظام جمہوریت کی وجہ سے بنتی ہے سرمایہ داری اور جمہوریت پہلے نیشنل ازم سے طاقت پکڑتی ہے پھر اسی نیشنل ازم سے علاقائی مقامی قوم پرستی نکلتی ہے مسائل کا اصل سبب سرمایہ دارانہ نظام جمہوریت اور ترقی و صنعتیں ہوتی ہیں لیکن ہر علاقے کے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمیں دوسرے علاقے کے لوگ لوٹنے آرہے ہیں لہٰذا نسلی،مذہبی،لسانی،فسادات عام ہوجاتے ہیں مثلاً پاکستانی ریاست نے تمام صنعتیں کراچی میں لگائیں کیوں کہ یہ بندرگاہ ہے یہاں سے درآمدات برآمدات ہوتی ہیں اخراجات بہت کم ہوتے ہیں لہٰذا ___ شہری معاشروں کی سہولت،ضرورت اور صنعتوں کی ضروریات کے لیے سب سے پہلے گیس بلوچستان سے کراچی کو مہیا کی گئی یہ مہاجر پرستی نہیں تھی سرمایہ پرستی تھی مگر بلوچ قوم یہ سمجھی کہ مہاجر اور پنجابی ان کے وسائل لوٹ رہے ہیں۔کراچی شہر کے فلیٹوں اور چھوٹے گھروں میں لکڑی کوئلے کی آگ نہیں جل سکتی اس لیے گیس پہلے ان کو دی گئی ہے یہ سرمایہ داری اور جدید شہر کا مسئلہ تھا۔لیکن یہ لسانی نسلی قوم پرستی کا مسئلہ بن گیا کراچی میں روزگار کے تمام مواقع اور تمام وسائل جمع ہوئے تو پورے ملک سے لوگ یہاں آنے لگے لہٰذا سندھی یہ سمجھے کہ ہمیں اقلیت بنایا جارہا ہے مہاجر یہ سمجھے کہ پٹھان اور پنجابی ہمارے وسائل پر قبضہ کررہے ہیں حالانکہ یہ سرمایہ داری کے پیدا کردہ مسئلے تھے جہاں بھی سرمایہ داری جمہوریت جاتی ہے یہی مسئلے پیدا ہوتے ہیں آخر میں تمام مذہبی،لسانی،نسلی،عصبی شناختیں ختم ہوجاتی ہیں قوم پرستی بھی ختم ہوجاتی ہے اور کاسموپولیٹن ازم آجاتا ہے تب سب لوگ صرف

پیسہ کماتے ہیں پاکستان ابھی اس دور سے گزر رہا ہے مگر ہمیں ان مباحث سے دلچسپی نہیں ہے۔

پانی کے بحران کا اصل سبب جدید لائف اسٹائل ہے

دنیا میں پانی کی شدید ترین قلت کا سبب حفظان صحت کے اصولوں کے تحت صفائی کے جدید طریقے [Modren hygenic Cleaning processes] اور پکوان ، مشروبات سیاحت اور کاروں کی صنعت [Foods bevereges, Car & Tourism Industries] ہے ان پر پابندی لگا دی جائے تو پانی کے قحط کا کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔

سب سے زیادہ پانی کار کی صنعت میں استعمال ہوتا ہے Blue Gold نامی کتاب پڑھ لیجئے۔ ایک کار کی تیاری میں اسّی ہزار لیٹر میٹھا پانی استعمال ہوتا ہے جو استعمال کے بعد کسی کے استعمال کے قابل نہیں رہتا۔ کار کو دھونے کے لیے صرف میٹھے پانی کی ضرورت ہے اتنا پانی کہاں سے آئے گا۔

پکوان، سیاحت، مشروبات اور پانی بیچنے کی صنعتوں کے ذریعے اربوں لیٹر پانی ضائع ہوتا ہے ان صنعتوں کو ختم کر دیجئے پانی کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ جدید ذہن کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ مسئلے کی جڑ ختم نہیں کرنا چاہتا اس کا بس ایک ہی سوال ہوتا ہے کہ کاریں تو لازماً چلیں گی بس اس کا متبادل بتاؤ کہ مسئلہ پیدا نہ ہو۔ لہٰذا سرمایہ داری کا پہیہ کبھی نہیں رکتا وہ فوراً ماحول دوست صنعتوں Enviorment Friendly Industries کا دھندہ شروع کر دیتی ہے ماحولیاتی آلودگی کے خلاف امریکا کے سابق نائب صدر الگورے کی کتاب An Inconvierient Truth ایک اہم کتاب ہے لیکن اس کے اختتام پر سرمایہ داروں کے پیدا کردہ مسائل کا حل اس نظام کے خاتمے کے بجائے مختلف متبادل سرمایہ دارانہ حل کے ذریعے پیش کیا گیا ہے یعنی ہم کنزیومرازم ترک نہیں کریں گے۔ اگر گھروں میں واشنگ مشین، شاور، فلش ٹینک کے استعمال پر پابندی لگ جائے تو پانی کی قلت کا مسئلہ پاکستان میں فوراً حل ہو جائے گا مگر جب ترقی، معیار زندگی میں مسلسل مستقل اضافہ، پیداوار اور مسلسل پیداوار کے لیے تین شفٹوں میں صنعتوں کا چلنا GNP,GDP,HDI,GNI کے لیے فرض عین ہو تو اس طرح کے اقدامات کے سوچنے کا بھی امکان نہیں رہتا___ سرمایہ داری کسی ایسے حل کو تسلیم ہی نہیں کرتی جس سے پیداوار کا چکر Production Cycle ٹوٹ جائے اور سرمایہ سے سرمایہ میں مسلسل اضافہ کا عمل رک جائے

لہٰذا تمام ماہرین معیشت سرمایہ دارانہ نظام کی پھیلائی ہوئی تباہی، آلودگی، قلت، قحط کا حل اس طرح پیش کرتے ہیں کہ پیداوار میں مزید اضافہ ہو جائے اور پیداوار میں مسلسل مستقل اضافہ پانی کے استعمال میں اضافے کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ جب پانی صنعتوں، کارخانوں، مشینوں پیداوار کے لیے استعمال ہوگا تو انسان پانی کے لیے ترسیں گے۔ پوری دنیا پانی کا یہ قحط دیکھ رہی ہے مستقبل میں یہ قحط اور بڑھے گا مگر سرمایہ دارانہ نظام (لبرل ازم، سوشلزم، نیشنل ازم وغیرہ) کے خلاف کوئی بنیادی تنقید، اس کے خاتمے کا مطالبہ، اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا عزم کہیں نظر نہیں آتا سب یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ نظام تمام خرابیوں کے باوجود سب سے بہترین ہے لہٰذا ناگزیر برائی ہے یہ Inevetable ہے اس کے سوا کوئی دوسرا نظام معیشت ٹھیک نہیں حالانکہ پاکستان اس وقت دنیا بھر میں قدیم، مذہبی، الہامی، رواجی روایتی معیشت کی بہترین مثال ہے جہاں ۸۵ فی صد کاروبار سرمایہ دارانہ نظام کے اداروں کے بغیر آج بھی کامیاب ہوتا ہے جہاں ہر شخص اپنے مکان کا مالک ہے مغرب میں کوئی شخص مالک مکان نہیں ہوتا سب گھر قرضے پر ہوتے ہیں کیوں کہ سب اپنا سرمایہ___ سرمایہ کی مارکیٹ، میوچل فنڈ، بانڈز، اسٹاک مارکیٹ میں لگاتے ہیں مغرب میں کوئی شخص نقد خریداری Cash Purchase نہیں کرتا سب مقروض بھکاری ہوتے ہیں کریڈٹ کارڈ چلتا ہے ہر چیز قرض پر ہوتی ہے اور لوگ اپنا تمام سرمایہ___ مالیاتی اداروں میں لگا کر اس سے مسلسل سودی منافع کماتے ہیں جب آپ دس کروڑ کے گھر کو بیچ کر مارکیٹ میں سرمایہ کاری کر دیں اور قرضے پر گھر لیں تو اس سے معیشت ترقی کرتی ہے۔ مغربی معیشت اسلامی معیشت نہیں۔

دنیا کی تیسری بڑی دودھ کی منڈی، عید قربان پر دنیا کی سب سے بڑی مویشی منڈی اور پاکستان کے ہر شہر میں موجود سبزی منڈی میں روزانہ اربوں کھربوں روپے کا نقد کاروبار ہوتا ہے یہ ثبوت ہے کہ سرمایہ دارانہ اداروں بنک، اسٹاک مارکیٹ، سود، قرضے، مالیاتی اداروں، انشورنس کے بغیر بھی بازار کے صاف ستھرے کاروبار اکیسویں صدی میں اسی پاکستان میں ہو رہے ہیں مگر ہمارے مسلم معیشت داں بھی ان مباحث کو نظر انداز کر کے آنکھیں بند کر کے مغرب کے بتائے ہوئے راستے پر چلے جا رہے ہیں حالانکہ پاکستان کی معیشت جو سود سٹے کے بغیر دنیا کی مضبوط ترین معیشت ہے اس کی پچاس فی صد آبادی آج بھی زراعت سے وابستہ ہے۔

زراعت کی معیشت میں کوئی آدمی بھوکا نہیں رہ سکتا اسے پیٹ بھر کر کھانے کو ملتا ہے صنعتوں کی معیشت میں ملازمت ہے ترقی ہے برآمدات میں آپ کی پیداوار کی مسلسل کھپت ہے تو ٹھیک ہے ورنہ برآمدات ختم ہوجائیں تو لوگ بھوکے مرتے ہیں۔ پوری دنیا میں اب ملازمتیں صرف تین شعبوں میں تقسیم ہوگئی ہیں (۱) شعبہ زراعت (۲) شعبہ صنعت (۳) شعبہ خدمات Service Sector عظیم معیشت اس کو سمجھا جاتا ہے جہاں زراعت میں ملازمت کے مواقع سب سے کم ہوں جیسے امریکا میں ایک فی صد لوگ زراعت کرتے ہیں مگر امریکا کی ضروریات سے کئی گنا زیادہ غلّہ پیدا کرتے ہیں یہ جینیاتی طور پر تبدیل کردہ مصنوعی GMF غلّہ کتنا زہریلا ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا مغرب میں کینسر اور تمام مہلک بیماریوں کا سبب یہی ہے۔

تمام ترقی یافتہ ممالک میں سب سے کم افرادی قوت زرعی شعبے میں اور سب سے زیادہ افرادی صنعتوں اور سروس سیکٹر میں ہوتی ہے باقی بے روزگار ہوتے ہیں روایتی معاشروں میں روزگار کا مسئلہ نہیں ہوتا سب لوگ کوئی نہ کوئی کام کرتے تھے کام ان کے لیے مصیبت نہیں راحت تھا بے روزگاری مسئلہ نہیں تھی ریاست کی ذمہ داری روزگار فراہم کرنا نہیں تھی لوگ خود کفیل تھے بے روزگاری کا مسئلہ بھی صنعتی معاشرے کے بعد پیدا ہوا ہے۔ اور دنیا کا کوئی ملک اسے سو فی صد سطح تک حل نہیں کرسکا روایتی تہذیبوں میں یہ مسئلہ ہی نہیں تھا لیکن ان معاشروں کو ہم نہایت حقارت سے دیکھتے ہیں۔

پاکستان کی معیشت دنیا کی مضبوط ترین معیشت صرف اس لیے ہے کہ آج بھی ۸۵ فی صد لوگ اپنا ذاتی کاروبار کرتے ہیں یہ سب سرمایہ دارانہ نظام کے اداراتی چکر سے باہر ہیں معیشت خود کفیل ہے لیکن جدید مغربی معیشت کے پیمانوں کے لحاظ سے پسماندہ ہے لیکن فی الحقیقت ہماری معیشت کو کسی اصلاح کی نہیں صرف تنظیم اور تطہیر کی ضرورت ہے۔ ہم اپنی معیشت کو ابھی تک مغرب کے پیمانوں سے دیکھ رہے ہیں اور اسے سرمایہ دارانہ بنانے کی بھرپور جدوجہد کررہے ہیں ہمیں اپنے پیمانے بدلنے کی ضرورت ہے۔

اسلامائزیشن آف نالج کی تحریک: راجی الفاروقی

علوم مغربی کو اسلامیانے کی جو تحریک ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی نے شروع کی تھی اور ۱۹۷۰ء کے بعد اس سلسلے میں ایک اہم ادارہ انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ ملائشیا

میں، امریکہ، سعودی عرب میں سوشل سائنس کے بہت سے ادارے عرب ممالک کی زبردست مالی سرپرستی سے قائم کیے گئے وہ ناکامی سے دوچار ہوئے انہوں نے جدید علوم عقلیہ کو غیر اقداری Value Nutral سمجھ کر ان علوم کو ان کی مابعد الطبیعیاتی اساسات [Metaphysical Foundations] سے کاٹ کر ان کی اسلام کاری کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں رسالت مآب کے بارے میں عالم اسلام میں رسول اللہ بحیثیت ڈاکٹر، رسول اللہ بحیثیت نفسیات دان، رسول اللہ بحیثیت سائنس دان، رسول اللہ بحیثیت استاد، معلم، رسول اللہ ماہر بشریات، بحیثیت مورخ، بحیثیت فلسفی، بحیثیت ماہر معاشیات، بحیثیت سائنس دان، بحیثیت فوجی کمانڈر جیسی کتابیں لکھ کر منصب نبوت اور منصب رسالت کو اتنے عامیانہ اور گھٹیا بشری عقلی علوم اور انسانی مراتب تک گرادیا گیا افسوس ہے کہ مسلمان ذات رسالت مآب کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکے تو نعوذ باللہ اس ذات مبارک کو اپنی پستیوں تک اتار لائے ذات رسالت مآب کو اتنے گھٹیا القابات سے پکارنا شان رسالت کی تنقیص ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

مغربی علوم کی اسلام کاری کا جو منصوبہ ڈاکٹر راجی الفاروقی، ڈاکٹر نقیب العطاس، وغیرہ نے شروع کیا تھا اس کی ناکامی نے عالم اسلام کی اسلامی تحریکوں سے وابستہ بڑے مخلص، محقق اور مفکر لوگوں کو بھی مغرب کے متاثرین میں شامل کردیا ہے اور اسلامی علمیت غیر شعوری طور پر اور اب شعوری طور پر دور حاضر میں ناقابل عمل قرار پائی ہے لہٰذا اسلام کی اصلاح کرنے کی کوشش تیز سے تیز تر ہیں۔ جاوید غامدی، راشد شاذ، ڈاکٹر طارق رمضان جیسے لوگ اسی خلاء کو پر کرنے اور اسی خلیج کو پاٹنے کے لئے اسلام کا چہرہ مسخ کرنے میں مصروف ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ اسلام کی اصلاح کے بغیر اسلام مغرب کے ساتھ نہیں چل سکتا نہ اکیسویں صدی کے تقاضے پورا کرسکتا ہے انہیں مغرب میں کوئی چیز قابل اصلاح نظر نہیں آتی وہ عین الحق ہے۔ الحق پر کبھی تنقید نہیں ہوتی اسے ایمان کی سطح پر قبول کیا جاتا ہے۔ لہٰذا مغربی علوم کو اسلامیانے کی ناکام تحریک کا ازسرنو علمی جائزہ لینے کی ضرورت ہے تاکہ مستقبل میں اس طرح کی غلطیوں سے بچا جاسکے۔

تمام متجددین کے یہاں سرسید سے لے کر جاوید غامدی تک آپ کو مغرب، استعمار، جدیدیت، جدید علوم عقلیہ پر کوئی تنقید نہیں ملے گی کیونکہ استعمار توظل الٰہی ہے، ریاست الحق ہوتی ہے اس کے تمام علوم وفنون الحق، تنقید سے ماوراء اور بس قابل تقلید ہوتے ہیں لہٰذا تمام متجددین

کے تنقید کے تیروں سے صرف اسلام کا سینہ چھلنی رہتا ہے مغرب بالکل محفوظ رہتا ہے لہٰذا ہمیشہ متجددین اس جدید ریاست کے حلیف، حامی، دریوزہ گر، مناد، مبلغ، شارح، مفسر، سفیر کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔ سرسید احمد خان، جمال الدین افغانی، مفتی عبدہ، سب اپنے خطوں میں استعمار کے حاشیہ بردار رہے اور استعماری علوم و اقتدار کو مذہبی تاویلیں پیش کرتے رہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمان امریکی صدر کے مرتے دم تک مشیر رہے ان کی ہدایت پر انڈونیشیا کا پورا نظام تعلیم امریکا نے ترتیب دیا۔ ڈاکٹر طاہر القادری ملکہ برطانیہ کے مشیر ہیں، فواد عجمی، فرید زکریا صدر بش کے مشیر تھے، ڈاکٹر ولی رضا نصر صدر اوباما کے مشیر ہیں۔ غامدی صاحب صدر پرویز مشرف کے مشیر تھے، وحید الدین خان راشد شاذ بھارتی حکومت کے غیر اعلانیہ مشیر ہیں۔

پروٹسٹنٹ ازم کا مقدمہ بھی یہی ہے کہ بادشاہ اللہ کا سایہ ظل الٰہی ہے۔ سرمایہ دارانہ ریاست الحق ہوتی ہے اچھے عیسائی کو ریاست کا فرماں بردار شہری اور بہترین کارکن ہونا چاہیے جو کام کی اخلاقیات work ethics کے ذریعے زیادہ محنت سے کام کر کے زیادہ سے زیادہ پیسہ کمائے کیوں کہ جو دنیا میں کامیاب رہے وہی آخرت میں بھی کامیاب ہے جو یہاں مادی معاشرتی طور پر ناکام ہے آخرت میں بھی دھتکارا جائے گا اسی فلسفے کے تحت پروٹسٹنٹ کلیسا کی عمارت کے اندر عبادت گاہ کی دیواروں پر کلیسا کو عطیات دینے والوں کے نام کندہ کیے جاتے ہیں۔ کراچی کے آواری ہوٹل صدر کے سامنے واقع پروٹسٹنٹ چرچ کی دیواروں پر آپ کو امراء کے عطیات اور ناموں کی طویل فہرست ملے گی۔

کسی علم کی عظمت کا پیمانہ سائنس کے معیار پر ثابت ہونا ہے

مسلمان اپنے روایتی علوم اور قرآن و سنت کی سند آج کل سائنس سے ثابت کرتے ہیں یعنی کسی علم کو عزت اس وقت ملتی ہے جب وہ سائنسی ہو جائے یا جدید سائنس کے معیار کے مطابق ہو یہی صورتحال زمانے کی ہے شبلی نے الکلام میں لکھا تھا

ایک صحیح۔ کامل اور ابدی مذہب کے لئے جو باتیں ضروری ہیں یہ ہیں۔ (۱) مذہب کی صحت کا مدار عقل قرار دیا جائے نہ تقلید۔ (۲) کوئی عقیدہ مذہبی۔ عقل کے خلاف نہ ہو۔ (۳) عبادات کے یہ معنی نہ قرار دیئے جائیں کہ وہ مقصود بالذات ہیں۔ (۴) مذہب تمدن کی اعلی سے اعلی ترقی کا ساتھ دے سکے بلکہ خود اس ترقی کا رستہ دکھائے ہم اس کتاب میں اول انہی اصول

کے معیار پر اسلام کو جانچنا چاہتے ہیں۔ (شبلی علم الکلام اور الکلام مسعود پبلیشنگ ہاؤس کراچی ص ۱۷۴) واضح رہے کہ شبلی نے انتقال سے ساٹھ دن پہلے اپنے ان نظریات سے رجوع کر لیا تھا۔ تفصیلات کے لیے حیات شبلی سید سلیمان ندوی کا آخری باب دیکھئے۔

لیکن متجددین کی جانب سے آج تک یہی کہا جا رہا ہے کہ اسلام ہر زمانے کا ساتھ دے سکتا ہے اجتہاد کا مقصد یہی ہے کہ وہ دین کو زمانے کے مطابق کر دے سوال یہ ہے کہ پیمانہ کون ہے دین یا زمانہ؟ دین کو زمانے پر پرکھا جائے گا یا زمانہ پر دین کو پرکھا جائے گا؟ اس سے بھی اہم سوال یہ ہے کہ کیا عہد حاضر میں زمانہ خود بخود فطری طور پر تبدیل ہو رہا ہے یا اس کو تبدیل کرنے والی کوئی بہت بڑی قوت بھی موجود ہے جو زمانہ بدل دیتی ہے وہ قوت کیا اسلام ہے یا خود زمانہ ہے یا کوئی اور؟ کیا اسلام مرغ بادنما ہے جو ہوا کا رخ بدلنے پر بدلتا رہے؟ اجتہاد کا مقصد صرف بھاگتی دوڑتی زندگی کے ساتھ ساتھ بھاگتے چلے جانا ہے یا اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ زمانہ جیسا بھی ہو زمانہ کسی بھی قوت کے زیر تسلط کتنی ہی کروٹیں بدلے ہر زمانے میں قرآن و سنت کی تقلید کو ممکن بنا دیا جائے اس کے لئے ماخذات دین میں اجتہاد کی ضرورت نہیں ماخذات دین کی بنیاد پر اجتہاد کی ضرورت ہے۔ وہ اجتہاد جو علماء اور ماخذات دین سے الگ ہو وہ اجتہاد نہیں الحاد فساد اور فتنہ ہے جو قتل سے زیادہ شدید جرم ہے۔

کیا مغرب کے کسی سائنس دان نے کبھی اپنے سائنسی اصول، کلیئے، قضیے، Pardox، مساوات، تجزیے، تجربے، نتیجے، کو ثابت کرنے کے لئے کبھی قرآن کی آیت یا حدیث پیش کی ہے؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عالم اسلام کے لئے پیمانہ سائنس ہے جس پر مذہب کو پرکھا جا رہا ہے یا ثابت کیا جا رہا ہے یہ ہمارا مسئلہ ہے مغرب کا مسئلہ نہیں ہے مغرب میں سائنس کی سند کے لئے قرآن کی ضرورت نہیں سائنس خود سند ہے حجت ہے قطعی ہے Take forgranted اور End in itself ہے افسوس ہے کہ مسلمان اپنے دین کی قطعت پر اس یقین سے محروم ہو رہے ہیں جو کفار کو اپنے کفر پر حاصل ہے۔

پاکستانی ریاست اور علماء کے تعلق کی نوعیت

روایتی معاشروں میں کسی فرد، کے لیے سب سے بڑی سزا یہ ہوتی تھی کہ خاندان، قبیلہ، برادری اس فرد کی حرکات و سکنات سے تنگ آ کر اس سے لاتعلقی کا اعلان کر کے اس کا سماجی

مقاطعہ [Social Boycott] کردیتی تھی اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اب اس زمین پر اس کا انسانوں سے تعلق ختم ہوگیا ہے اب وہ ایک تنہا وجود ہے جو اپنا بوجھ خود اٹھانے کے لیے باقی رہ گیا ہے۔

پاکستانی ریاست نے بھی علماء مدارس اور دینی اداروں کے ساتھ کچھ ایسا ہی رویہ روا رکھا ہے علماء کا معاشی سماجی مقاطعہ غیر اعلانیہ جاری و ساری ہے مگر یہ صرف پاکستان کا پاکستانی حکمرانوں کا ظلم نہیں جدید ریاستی ڈھانچے کی ہیئت ترکیبی ہی یہی ہے یہ Structural Problem ہے۔

جدید ریاست مذہبی علوم کی سرپرستی نہیں کرتی

ہر جدید ریاست سائنس اور سوشل سائنس کے علوم کے لیے اربوں روپے خرچ کرتی ہے مگر مذہبی علوم کے لیے ایک روپیہ خرچ نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ اس کو علم ہی نہیں سمجھتی لہٰذا ریاست جہالت کی سرپرستی کیسے کرسکتی ہے؟ جدید فلسفے اور جدیدیت [Modrenism] میں نفس انسانی [Self] ایک آزاد، خود مختار فاعل مختار مطلق وجود ہے اس نفس کو کسی خارجی ذریعے سے ہدایت رہنمائی کی روشنی لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لہٰذا اس نفس کی تعمیر، تشکیل، تہذیب، تزکیہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ نفس مطلقاً آزاد ہے اور عقلیت کے ذریعے یہ خود ہی اپنا راستہ تلاش کرلیتا ہے یہ عادلانہ ذات ہے جو سیکولر اسکول اور میڈیا کے ذریعے خود بخود تعمیر تشکیل تربیت کے مرحلوں سے گزرتی ہے اسے تہذیب اخلاق اقدار سکھانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں لہٰذا تمام جدید ریاستوں میں تزکیہ وتصفیہ نفس اور تعمیر وتشکیل ذات کا کوئی نظام، کوئی ادارہ، کوئی طریقہ نہیں ہے لہٰذا علماء دینی تعلیم دینی مدرسوں کی کیا ضرورت ہے؟ اسکول کالج یونیورسٹی کی سطح پر دینی تعلیم کا ایک پرچہ ہوتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ جب یونیورسٹی اور کالجز میں امتحانات ہوتے ہیں تو بیت الخلاء کے اندر اور باہر اسلامیات کی کتابوں کے ڈھیر اور پھٹے ہوئے صفحے پڑے ہوئے ہوتے ہیں جب بھی کسی مضمون کو غیر موثر کرنا ہو جس سے کوئی مادی معاشی مالی فائدہ بھی حاصل نہ ہوسکتا ہو اسے نصاب کا حصہ بنا دیجیے اور اس کا حشر دیکھ لیجیے اردو اور مطالعہ پاکستان کے مضامین کے ساتھ بھی یہی ہوتا ہے۔

دینی مدارس عوام کی دین سے محبت کے باعث چل رہے ہیں

موذن اسلامی تہذیب ومعاشرت کا سب سے اہم ستون

پاکستان کے سیکولر اداروں کے اسلام پسند اساتذہ کا ایک خفیہ سروے کیا گیا کہ ان کی

اسلامی معلومات کا حال کیا ہے تو ستر فیصد اساتذہ شب قدر، شب برات اور شب معراج میں فرق نہیں بتا سکے اس سے اندازہ ہوا کہ اسکول، کالج، یونیورسٹی میں اسلامیات کی تدریس کا معیار کیا ہے۔

لازمی دینی تعلیم برطانیہ کے اسکولوں میں بھی ہوتی ہے مگر انہی اسکولوں کے بیت الخلاء میں اسقاط حمل کے لیے غبارے بھی مہیا کیے جاتے ہیں یہ دین ہے یہ دنیا یہ دو الگ دائرے ہیں۔ برطانیہ میں اور دیگر مغربی ممالک میں لازمی یا اختیاری (Compulsory/optional) دینی تعلیم۔ دینی زندگی، روحانیت کے حصول کے لئے نہیں محض ایک مضمون Subject کے طور پر ہے یعنی معلومات کا حصول۔۔۔جس طرح دنیا کی تمام یونیورسٹیوں میں اسلامیات کا شعبہ العلم کے فروغ کے لئے نہیں تاریخ سائنس، معاشیات اور نفسیات کی طرح کا ایک مضمون ہے لہٰذا یہاں جوتے پہن کر، بغیر وضو کے، حیض کی حالت میں اسلامی علوم حاصل کیے جاتے ہیں علم کے حصول کی پہلی شرط ادب ہے ادب کے بغیر علم کا حصول ممکن نہیں اسی لئے انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد سے فارغ التحصیل ہونے والا کوئی عالم کسی دینی مدرسے مسجد، میں استاذ اور امام بننے کے لئے تیار نہیں یہ کیسے عالم ہیں جو مسجد و مدرسے سے تعلق نہیں رکھنا چاہتے؟ غامدی صاحب نے پرویز مشرف کو تجویز دی تھی کہ مساجد میں اس یونیورسٹی کے علماء کو امام بنایا جائے انھیں گریڈ سترہ دیا جائے مگر ڈاکٹر منظور احمد نے بتایا کہ وہ تو یہ فریضہ انجام دینے پر آمادہ ہی نہیں ظاہر ہے یونیورسٹی کی مابعد الطبیعات سے ایک دنیا دار ہی نکل سکتا ہے جسے صرف دنیا عزیز ہوتی ہے لہٰذا مسجد ہمیشہ مولوی کے پاس ہی رہے گی جدید مسلم دنیا دار یہاں آنا پسند نہیں کرتے پاکستان میں تمام مساجد مدارس صرف اور صرف عوام کی محبت، محنت، توجہ اور دلچسپی سے چل رہے ہیں عام لوگ عطیات زکوٰۃ صدقات مدارس مساجد کو دیتے ہیں جس سے یہ نظام چل رہا ہے عطیات بہت بھاری نہیں ہوتے لہٰذا مدارس کے اساتذہ کی تنخواہیں بہت کم ہوتی ہیں وہ احتجاج اس لیے نہیں کرتے کہ ان کو معلوم ہے کہ یہ سب کچھ مخلص مسلمانوں کا قائم کردہ رضا کارانہ نظام ہے اس میں حکومت موجود نہیں ہے رضا کارانہ کام میں احتجاج، مطالبات، تقاضے، شور، ہنگامہ نہیں ہوتا جس پاکستان میں اکثر سرکاری افسر کبھی وقت پر دفتر نہیں آتے مگر لاکھوں روپے ماہانہ تنخواہ وصول کرتے ہیں لیکن اسی بدعنوان پاکستان میں ایک موذن جو ہماری آنکھ کھلنے سے پہلے اٹھ کر فجر کی اذان دیتا ہے جسے دیکھنے والا اور جس کی اذان سننے والا بھی کوئی نہیں ہوتا۔ یہ موذن اپنے اس فرض میں کبھی کوتاہی نہیں کرتا یہ دین کی برکت ہے۔

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مولوی نے فجر کی اذان نہ دی ہو

وہ موذن، وہ فرض شناس، وہ باکردار وہ محنتی، ایمانی، روحانی، نورانی، یمانی وجود۔صبح سویرے یہ سخت ترین کام آندھی طوفان بارش سردی گرمی میں چھ سات ہزار روپے کی تنخواہ میں نہایت دیانت داری سے انجام دیتا ہے آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ موذن سوتا ہوا رہ گیا ہو مسجد میں اذان نہ ہوئی ہو مولوی نماز پڑھانے کے لیے مسجد نہ پہنچا ہو اور نماز نہ ہوسکی ہو۔ سرکاری اداروں کی مسجدوں میں تو کبھی کبھار یہ صورت حال پیدا ہوجاتی ہے کہ وہاں کا نظام ہی ایسا ہے سفارش پر بھرتیاں اور احتساب کا کوئی نظام نہیں لیکن گلی محلوں کی مساجد میں آج تک ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔

موذن کا انتقال ہوگیا لہذا اذان نہ ہوسکی

۱۹۷۸ء میں مری کی ایک مسجد میں دسمبر کی برف باری میں ہم نے دیکھا کہ موذن نے اذان دینے میں دو منٹ کی تاخیر کردی تو ہنگامہ برپا ہوگیا لوگ موذن کے گھر کی طرف دوڑے معلوم ہوا کہ موذن صاحب کا انتقال ہوگیا ہے اس لیے وہ اذان دینے تشریف نہیں لاسکے موت نے مولوی صاحب کے فریضے میں خلل پیدا کیا نیند بیماری، غربت، ذاتی مسائل کبھی اذان دینے کے عمل میں رکاوٹ نہ بن سکے یہ ایمانی نورانی روحانی رحمانی قوت کا کرشمہ ہے۔ یہ ہے مذہب کی قوت جو دیانت داری کی اعلیٰ ترین سطح پر انسان کو پہنچا دیتی ہے۔

مولوی اس زمین پہ تزکیہ نفس کی زندہ علامت ہے

مولوی کو گالیاں دینا، اس کی ذات میں کیڑے نکالنا بلکہ کیڑے ڈال دینا دنیا کا آسان ترین کام ہے مگر اس مولوی کی خدمات ایثار قربانی کو دیکھنے کے لیے خاص زاویہ نظر چاہیے ہم اس زاویہ نظر سے محروم ہو چکے ہیں لہٰذا ہمارا نقطہ نظر مولوی کے بارے میں سراسر ظالمانہ، جارحانہ اور عدل سے محروم ہے ہم صرف مشرقی صاحب کی طرح مولوی کا غلط مذہب جیسی کتابیں لکھ سکتے ہیں اسے گالیاں دے سکتے ہیں مگر خود صبح فجر سے پہلے اٹھ کر نہ مسجد میں جھاڑو دے سکتے ہیں نہ اذان دے سکتے ہیں رمضان کے مہینوں میں حفاظ کرام تراویح کی بیس رکعتیں نماز پڑھانے کے لیے افطار میں کھانے پینے میں کس قدر احتیاط برتتے ہیں کتنا زبردست تزکیہ نفس کرتے ہیں اللہ کی کیسی کیسی نعمتوں کو قسم قسم کے کھانوں کو چھوڑ کر نہایت قلیل غذا پر گزارہ کرتے

ہیں تاکہ پیٹ صحیح رہے بدہضمی نہ ہو نماز میں کوئی خلل واقع نہ ہو تمام مقتدی پیٹ بھر کر آتے ہیں اور وقتاً فوقتاً رفع حاجت کے لیے یا وضو بنانے کے لیے بار بار صفیں چھوڑ کر جاتے ہیں ہم نے اپنی زندگی میں رمضان میں کبھی کسی مولوی، عالم، حافظ کو پیٹ کے ہاتھوں مجبور ہو کر نماز وتراویح کے دوران وضو یا رفع حاجت کے لیے جاتے ہوئے نہیں دیکھا یہ تزکیہ اللہ کے دین کے لیے مولوی رمضان میں بھی کرتے ہیں اور پھر بھی گالیاں کھاتے ہیں ہر گھٹیا انسان ان کے عیب بیان کرتا ہے ان کے اوصاف دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ علماء کے معاوضے کم کیوں ہیں؟

سوال یہ ہے کہ ایک سرکاری ملازم چپراسی جس کی تنخواہ بیس پچیس ہزار روپے تک اور بے شمار مراعات الگ ہیں وہ اتنی جہالت کے باوجود بھاری تنخواہ کس علم کی اور کیوں لے رہا ہے اور علماء کی تنخواہیں اتنی کم کیوں ہیں صرف اس لیے کہ ریاست علماء کو اور ان کے علم کو علم نہیں سمجھتی صرف علم نہیں سمجھتی بلکہ ریاست جس علم کی سرپرستی کررہی ہے جس ٹیکنو سائنس، سائنٹفک امپیریل ازم اور سودی نظام کی سرپرست ہے علماء ہی اس نظام کے اصل مخالف ہیں یا مستقبل میں کبھی بھی اس کے مخفی دشمن [Potential enemy] ہوسکتے ہیں کیونکہ علماء ایمان عقیدے اقدار روایات کا ایک بالکل مختلف نظام رکھتے ہیں ان کی علمیت بندگی اور توحید کے دائرے میں مقیم ہے جدید ریاست کی علمیت آزادی اور سرمایہ کے دائروں سے ظہور کرکے مساوات اور ترقی کو ممکن بناتی رہتی ہے اسلامی علمیت مولوی کی دنیا کبھی آزادی اور ترقی کو ایمان عقیدے کے طور پر قبول نہیں کرسکتی۔ آزادی۔ بندگی اور آخرت کی نفی ہے دو تصورات خیر ایک ساتھ نہیں چل سکتے آخر میں صرف ایک ہی تصور خیر باقی رہ جائے گا یہ تہذیبوں کی جنگ ہے۔ لہٰذا اس نظام کے حاضر و موجود سے باہر جو بھی ہے وہ زندہ رہے یا نہ رہے بھوکا رہے یا مرجائے یہ جدید ریاست کا مسئلہ ہی نہیں ہے۔

علماء دینی مدارس اور پاکستانی ریاست کے تعلق کی نوعیت

پاکستانی ریاست مدارس مساجد علماء سے بالکل لاتعلق ہے وہ عرب ممالک کی طرح کم از کم مشاہروں کی حد تک بھی علماء کی سرپرستی کرنا پسند نہیں کرتی کیوں کہ اس کے باعث اس کے اخراجات بڑھ جائیں گے اسے علماء عزیز ہی نہیں ہیں مگر یہ علماء پھر بھی اس ریاست کی ہر مشکل

وقت میں مدد کرتے رہتے ہیں۔ یہ علماء کا اسلامی ریاست سے اخلاص ہے۔ علماء اور ریاست کے مابین ایک متضاد، متناقض، متخالف، مطلق رسہ کشی پر مبنی تعلق کی نوعیت پروفیسر عزیز احمد نے اپنی کتاب Islamic Modernism in India & Pakistan کے آخری تین ابواب میں نہایت تفصیل سے اور نہایت مدلل طریقوں سے تاریخی حوالوں کے ساتھ بیان کی ہے ۔علماء کے لئے اس کا مطالعہ حیرت کے دریچے کھول دے گا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے برصغیر میں اسلامی جدیدیت کے نام سے کیا ہے اور لاہور ادارہ ثقافت اسلامیہ نے شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر عائشہ جلال کی کتابوں میں بھی اسلام، پاکستانی ریاست اور علماء کے تعلق کی نوعیت کے حوالے سے کئی قیمتی نکات ملتے ہیں۔ لاہور کے ادارہ مطالعہ تاریخ کے حسن جعفری نے علماء، مسلم لیگ اور قائداعظم کے موضوع پر جو کتابیں مرتب کی ہیں ان میں بھی اس موضوع پر اہم حوالے موجود ہیں جن کا مطالعہ مفید رہے گا۔ بابائے قوم، مسلم لیگ اور علماء کرام کے تعلقات کی نوعیت کا بخوبی اندازہ ان کتابوں سے ہوتا ہے۔ بابائے قوم علماء کی بات کو کتنا وزن دیتے تھے ان کے احکام کی کس طرح تعمیل کرتے تھے جس کا حسن جعفری کو بہت دکھ ہے کہ وہ علماء سے ڈرتے تھے۔

ریاست علماء سے وفادار نہیں ہے مگر علماء ایک زبانی، کلامی، قانونی، دستوری، آئینی اسلامی ریاست کے وفادار ہیں یہ صرف دینی رشتے کے باعث ہے یہ ایک ایسی ریاست ہے جس نے تمام صوبوں میں یہ قانون بنایا ہے کہ اٹھارہ سال سے پہلے کسی لڑکی کی شادی نہیں ہوسکتی اگر ہوئی تو ماں باپ دلہا سب جیل میں ہوں گے جرمانہ الگ۔ بلوغت کے باوجود عمر کی حد کا تعین اسلامی تاریخ میں کبھی نہیں کیا گیا۔

اس مسئلے پر ہمارے دینی حلقے خاموش رہے آخر کیوں؟ ریاست نے یہ خاموشی دیکھی تو اگلے مرحلے میں اسی جدید ریاست نے یہ قانون بھی بنایا کہ اٹھارہ سال سے پہلے کوئی اقلیتی لڑکا لڑکی مذہب تبدیل نہیں کرسکتے اس قانون پر کچھ احتجاج ہوا ایک بڑے شیخ الحدیث صاحب نے حکومت سندھ کی برطرفی کا مطالبہ کیا مگر اٹھارہ سال سے پہلے شادی کے قانون پر خاموشی کیوں رہی؟ تب برطرفی کے مطالبے کیوں نہ ہوئے؟

سندھ کے نئے قانون میں مذہب تبدیل نہیں کرسکتے ایک خطرناک جملہ ہے اس کی

گہرائی پر ہم توجہ نہیں دے رہے ایک جانب آئین میں انسانی حقوق کے منشور کے تحت ہر شخص کو ہر وقت مذہب تبدیل کرنے کی مکمل آزادی ہے دوسری جانب مذہب بدلنے پر پابندی لگائی جارہی ہے کیوں؟ سوال یہ ہے کہ کس کو مذہب بدلنے کی اجازت ہے اور کس کو مذہب بدلنے کی اجازت نہیں ہے؟ ایک اسلامی ملک میں کوئی بھی مسلمان ہر وقت مذہب بدل سکتا ہے مگر کافر اٹھارہ سال سے پہلے نہیں بدل سکتا۔ تو یہ قانون کس کا تحفظ کر رہا ہے؟ اسلام کا یا کفر کا۔ تو کیا اسلامی ریاست۔۔۔ نظام کفر کے تحفظ کے لیے قائم ہوتی ہے؟۔ علماء خود ہی غور کریں انہوں نے اس جملے کے صرف ایک ہی پہلو کو دیکھا ہے دوسرے پہلوؤں کو نظرانداز کردیا ہے۔

اٹھارہ سال سے پہلے مذہب تبدیل کرنے پر پابندی حکومت سندھ کا یہ قانون بہ ظاہر ایک صوبائی قانون ہے مگر اس کی جڑیں صرف صوبہ سندھ تک نہیں ہیں اس قانون کی بنیاد سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس تصدق حسین جیلانی کا وہ فیصلہ ہے جس میں انہوں نے آئین پاکستان کے تحت ہر شخص کا یہ حق تسلیم کیا ہے کہ وہ جب چاہے جس وقت چاہے اپنا مذہب بدل سکتا ہے اپنے اختیار کردہ مذہب میں جو چاہے ترمیم تبدیلی کرسکتا ہے۔ دوسرے معنوں میں ہر فرد کو ارتداد کی آزادی دی گئی ہے۔ وہ صبح مسلمان ہو شام کو عیسائی رات کو یہودی آدھی رات کو پارسی فجر کے وقت ہندو ہوجائے کیوں کہ اس تبدیلی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

منشور انسانی حقوق میں مذہب بدلنے کی آزادی ہے:

ایک بہت بڑے مفتی صاحب نے جسارت میں مضمون لکھا ہے کہ ہر شخص کو مذہب تبدیل کرنے کی آزادی انسانی حقوق کے منشور میں دی گئی ہے حکومت سندھ کا یہ قانون جو اقلیتوں کو اسلام لانے سے روکتا ہے پاکستانی آئین اور انسانی حقوق کے خلاف ہے۔

مفتی صاحب نے دلیل یہ نہیں دی کہ یہ قانون اسلامی شریعت کا انکار ہے یہ اسلام کے نام پر جدید شریعت سازی کا عمل ہے یہ استعمار کی خوشنودی کے لئے دین کی تشکیل جدید Reconstruction of Religion ہے انہوں نے اپنے استدلال کی بنیاد عہد حاضر کے مذہب حقوق انسانی سے فراہم کرنے کی کوشش کی جو علمی طور پر غلط ہے کیونکہ یہی مذہب ارتداد کی آزادی بھی یکساں طور پر عطا کرتا ہے جب آپ اس مذہب کے ایک اصول کو مان لیں گے تو اسلام میں ارتداد کے جرم کا اصول خود بخود ختم ہوجائے گا جس طرح مسلمان یورپ میں مطالبہ

کرتے ہیں کہ نقاب پہننا ہمارا حق [Human Right] ہے یعنی یہ خدا کا حکم، شریعت کا مطالبہ، دین کا تقاضہ نہیں میرا ذاتی حق ہے اس کے جواب میں وہاں کے سیکولر پوچھتے ہیں اگر تم اپنے لئے منشور انسانی حقوق کے تحت حق انسانی مانگتے ہوئے نقاب پہننا حق سمجھتے ہو تو اسی اصول کے تحت اپنے اسلامی ملکوں میں عورت کو کپڑے اتارنے کا حق دو گے یا نہیں؟ ظاہر ہے مسلمان اس سوال کے جواب میں صرف شرمندگی کے احساس سے زمین میں گڑ جاتے ہیں انسانی حقوق کے منشور کی روشنی میں مذہبی استدلال کا انجام یہی ہے۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ مذہب بدلنے کی آزادی کا یہ اصول کس نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتا ہے؟ منشور میں کیا کسی فرد کو جمہوریت کا عقیدہ بدلنے کی اجازت ہے؟ منشور میں کسی شخص کو آزادی کا انکار کرنے کی اجازت ہے؟ کیا منشور میں کوئی ایسی شق [Article] موجود ہے کہ جو شخص چاہے اس منشور حقوق انسانی کو مسترد کردے یا ہر شخص اور ہر ریاست پابند ہے کہ اس منشور پر عمل کرلے اس منشور کی پابندی کا حکم کس نے دیا ہے خدا نے یا الکتاب نے_ اس منشور میں ہر ایک کو مذہب بدلنے کی تو آزادی ہے مگر مذہب حقوق انسانی بدلنے کی آزادی کیوں نہیں ہے کیا روسو کا اردہ عامہ General Will اس کا کوئی انکار کرسکتا ہے روسو نے لکھا ہے کہ ارادہ عامہ اور آزادی پر جبراً عمل کراؤ ارادہ عامہ کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہوسکتی یہ اس مذہب کی پابندیاں ہیں ظاہر ہے یہ مذہب پابندیاں عائد کرتا ہے مگر مذاق یہ ہے کہ اسلام پابندیاں عائد کرے تو وہ ظلم، جبر اور آزادی کا انکار ہے مذہب انسانی حقوق پابندیاں عائد کرے تو وہ ظلم نہیں عین آزادی ہے کیونکہ اس نظام میں آزادی پر پابندی کا مقصد بھی آزادی میں اضافہ ہے لہٰذا اس نظام کی کوئی پابندی کوئی جبر__ نہ ظلم ہے نہ جبر بس آزادی ہے۔ مفتی صاحب نے ان سوالوں پر سرے سے غور ہی نہیں کیا۔

حضرت والا نے اپنے بیان میں مستور بارودی سرنگوں کو بھی غور سے نہیں دیکھا یہ بیان جسٹس تصدق جیلانی کے فیصلے کی تصدیق کررہا ہے یا تردید کررہا ہے۔ سپریم کورٹ اگر ہندو لڑکیوں کو اپنی مرضی سے اسلام قبول کرکے اپنے مسلم شوہر کے ساتھ جانے کی اجازت دے دے تو ہم اسے اپنی فتح قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ اجازت انسانی حقوق کے منشور کے تحت دی گئی ہے اور اسی اصول کے تحت اگر کل یہ لڑکی دوبارہ ہندو ہونا چاہے تو سپریم کورٹ اسے ہندو ہونے کی بھی

اجازت دے گا یہ اس کی مطلق absolute آزادی ہے پاکستانی عدالت یہ آزادی دلائے گی کیا مفتی صاحب اس اجازت کو بھی اسلامی تسلیم کرلیں گے؟ لبرل اور غامدی صاحب یہی تو کہتے ہیں کہ جب چاہے جو چاہے مذہب بدل لو۔ سوال یہ ہے کہ آزادی، مساوات، ترقی اور جمہوریت کے عقیدوں کے خلاف سوفی صد اکثریت کو بھی فیصلہ کرنے کی آزادی کیوں نہیں ہے؟ کیوں کہ یہ الحق ہے الحق کی دلیل نہیں ہوتی یہ تو ماننا ہی ہوتا ہے۔ UNO نے تمام قوموں کو مجبور کیا ہے کہ وہ انسانی حقوق کے منشور کو تسلیم کریں اور اسے اپنے ملک میں نافذ کریں کیوں کے اس کی اقدار، اصول آفاقی ہیں اور تمام مذہب عالم پر بالاتر اور ان سے بہتر ہیں سب کو یہ منشور تسلیم کرنا ہوگا۔ کیا یہ آزادی ہے یا جبر؟ اس منشور کے تحت جمہوریت سب کو نافذ کرنی ہوگی۔ کیا یہ آزادی ہے یا جبر؟ حالانکہ UNO کی سلامتی کونسل میں ایک برابر ہے چار کے __ ویٹو__ کیا یہ جمہوریت ہے کیوں؟ صرف پانچ ممالک سلامتی کونسل کے رکن کیوں ہیں؟ مساوات، جمہوریت اب کہاں رہ گئی اس کا مطلب یہ ہے کہ مساوات اور جمہوریت بھی مطلق [Absolute] نہیں یہ کیا ہے یہ بھی وہ بتائیں گے۔

انسانی حقوق کی اصل حقیقت سمجھے بغیر اس کی فلسفیانہ اساسات سے واقفیت کے بغیر بیان دینے کے یہی نقصانات ہیں۔ انسانی حقوق کے تحت مذہب ایک ذاتی معاملہ غیر اہم چیز ہے لہٰذا اس کی تبدیلی ریاست کا مسئلہ نہیں صرف آزادی و جمہوریت وغیرہ کے عقیدوں کو ترک کرنے کی آزادی نہیں اس کے سوا ہر عقیدے مذہب کو ترک کرنے کی آزادی ہے۔ مذہب انسانی حقوق میں آزادی، جمہوریت، مساوات، ترقی کے عقیدے unquestionable ہیں. یہ end in itself ہیں یہ take for granted ہیں۔ ان پر تو ایمان لانا ہوگا جو ایمان نہیں لائے گا اسے دہشت گرد قرار دے کر قتل کردیا جائے گا۔ جان رالس اور ڈربن نے یہی لکھا ہے ۔حوالے آگے آرہے ہیں۔

ہر مذہبی عقیدہ لبرل ازم کے عقیدہ آزادی کے تابع اور ہم آہنگ ہو

لبرل ازم صرف آزادی کے عقیدے کو الحق Suprem Good مانتا ہے اس کے سوا دنیا میں پائے جانے والے تمام تصورات خیر و شر یکساں درجے کے ہیں ان میں کسی خیر کو دوسرے خیر پر یا کسی خیر کو کسی شر پر کوئی فوقیت حاصل نہیں کیوں کہ خیر و شر، حق و باطل، معروف و

منکر ،حلال و حرام کی اصطلاحات احمقانہ اصطلاحات ہیں اصل خیر صرف آزادی کا عقیدہ[Faith of Freedom] ہے اس کے سوا تمام تصورات خیر جہالت ضلالت ہیں لیکن اگر کوئی فرد اپنی ذاتی زندگی میں کوئی خیر یا شر یا کوئی مذہب اختیار کرلے تو اختیار کرے ریاست کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں لیکن وہ اپنے تصور خیر کو آزادی کے عقیدے کے تابع رکھے اگر یہ خیر آزادی کے عقیدے کے لیے خطرہ بنے تو جان رالس جو لبرل ازم کا سب سے بڑا سیاسی فلسفی ہے وہ لکھتا ہے کہ ایسے لوگوں کو اس طرح ختم کر دیا جائے جس طرح جراثیموں کو ختم کیا جاتا ہے دنیا بھر میں مسلمانوں کا قتل عام لبرل ازم کے اسی اصول کے تحت۔ اسی لیے ہو رہا ہے۔

جو آزادی جمہوریت کے عقیدے پر سوال اٹھاتا ہے اسے گولی مار دو,Rawls Derben

لبرل ازم کے مخالفین کو جراثیم کی طرح ختم کر دیا جائے: جان رالس

لبرل ازم جسے آج بھی دنیا میں سب سے زیادہ وسیع النظر عقیدہ سمجھا جاتا ہے اس کا سب سے بڑا فلسفی جان رالز اپنی کتاب Political Librealism میں یہی جارحانہ، متشددانہ، دہشت گردانہ نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ لبرل ازم کے پیش کردہ آفاقی تصور عدل اور لبرل سرمایہ دارانہ معاشرے کی اقدار کے مخالفین و منکرین جو اس اعلیٰ ترین نظام زندگی کو تلپٹ کرنا چاہتے ہیں ان کو نہایت بے رحمی کے ساتھ پوری طاقت سے۔ اس طرح کچل دینا چاہیے جس طرح جنگوں کو اور جراثیم کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ یہ وحشی اور جنونی لبرل نظام عدل کو تہس نہس نہ کر سکیں۔

رالس کے الفاظ پڑھیے:

That there are doctrines that rejects one or more democratic freedom is itself a permanent fact of life, or seems so. This gives us the practical task of containing them__like war and disease __ so that they do not overturn political justice [John Rawls, Political Liberalism, New York : Columbia University Press, 2005, p.64]

جان رالز دعویٰ کرتا ہے کہ لبرل ازم غیر اقداری [De ontological] ہے لیکن وہ خود بتا رہا ہے کہ لبرل ازم غیر اقداری نہیں وہ اقداری Ontological ہے اور اس کی اقدار رالس کے تصورات عدل [Principles of Justice] سے نکلتی ہیں۔ لہٰذا لبرل معاشرے میں ہر شخص کو رالس کے بیان کردہ تصور عدل کے مطابق اپنی زندگی کا نقشہ ترتیب دینا چاہیے یعنی لبرل سرمایہ دارانہ تصور عدل ہی الحق اور الخیر ہے اس کے سوا سب باطل ہے۔ دوسرے معنوں میں لبرل ازم بھی ایک مذہب ہے۔ جس کا خدا رالس ہے وہ جو کچھ کہے دنیا کو اس کے مطابق چلنا ہوگا جب یہی بات مسلمان کہتے ہیں کہ ہمیں خدا کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرنی ہے تو یہی لبرل ازم کہتا ہے کہ تم اسلام کے نام پر۔ لوگوں پر مذہبی جبر مسلط کر رہے ہو۔ ہر تصور خیر جبر کے ساتھ ہی ہوتا ہے خواہ وہ لبرل ازم ہو یا اسلام ہو جس خیر کے ساتھ جبر نہیں وہ الفاظ کا کھیل [Language Game] ہے۔ سوال یہ ہے کہ آزادی کے لیے جبر ہو تو عین آزادی کیوں ہے؟ اور اگر یہی جبر مذہب کے لیے ہو تو یہ آزادی کیوں نہیں ہے صرف جبر کیوں ہے؟ آزادی کا علمبردار مغرب اور اس کے عقیدہ آزادی کے اسلامی شارح غامدی صاحب یہ بتائیں کہ مغربی معاشروں میں تاریخ انسانی کا جو بدترین جبر آزادی Tyrrany of Freedom نافذ کیا گیا ہے اس کی عقلیت کیا ہے؟ یہ کیسی آزادی ہے؟ غلامی کی بدترین شکل کو آزادی کیسے مان لیا جائے؟

رالز دنیا بھر پر لبرل ازم کے جبر کو مسلط کرنے کا اعلان کرتے ہوئے صاف صاف لکھتا ہے کہ جدید لبرل سیکولر ریاست میں ہر شخص اپنی آرزوؤں خواہشوں کے مطابق زندگی کی منصوبہ بندی کرنے میں آزاد ہے لیکن یہ آزادی غیر مشروط نہیں مشروط ہے فرد کی خواہشات اور آزادیاں لبرل ازم کے بنیادی ایمان عقیدوں Principles of Justice سے ہم آہنگ ہوں اس کے خلاف نہ ہوں رالس لکھتا ہے:

This is because the purpose of the criminal law is to uphold basic natural duties those which forbid us to injure other persons in their life and limb or to deprive them of their liberty and property and punishments are to serve this end.

In a well ordered society there would be no need for the

penal law except law except insofar as the assurance problem made it necessary.
Since each person is free to plan his life as he pleases (so long as his intentions are consistent with the principles of justice) unanimity concerning the standards of rationality is not required. [John rawls: Chapter The Right and the Good Contrasted, in Theory of Justice, Cambridge, Mass: The Belknap Press of Harvard University Press, 1971. p.221]

یورپین کورٹ آف ہیومن رائٹس کا تاریخی فیصلہ:

اسی لیے مغرب میں لوگوں کو مذہب کے صرف اتنے حصے پر عمل کی آزادی ہے جتنا حصہ لبرل تصور آزادی اور عقیدہ عقلیت سے ہم آہنگ ہو اس کے تابع ہو اس کے خلاف نہ ہو عقلیت کے اظہار کی مختلف شکلیں ہیں ان میں یکسانیت ضروری نہیں جس طرح سرمایہ داری مختلف صورتوں میں اپنا اظہار کرتی ہے لہٰذا مذہب کا صرف وہ حصہ جو سرمایہ دارانہ تصور عدل و آزادی کے خلاف ہے اس پر عمل کی آزادی نہیں ہے لیکن ہمارے مسلم مفکرین خواہ مخواہ یہ ثابت کرتے رہتے ہیں کہ مغرب میں مذہب پر عمل کی مکمل آزادی ہے یہ تاریخی جھوٹ ہے نجم الدین اربکان کی حکومت کو ترکی کی سپریم کورٹ نے برطرف کردیا تو اس فیصلے کو اربکان نے یورپین کورٹ آف ہیومن رائٹس میں چیلنج کیا کہ ان کی برطرفی بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ Rafah vs Turky کے نام سے اس مقدمے کا فیصلہ نیٹ پر موجود ہے UCHR نے برطرفی کو جائز قرار دیا کہ جمہوریت میں مذہبی حکومت قائم نہیں ہوسکتی ایسا کرنا آزادی مساوات اور انسانی حقوق کی پامالی ہے کوئی جمہوری ریاست مذہب کو بالاتر قانون کا درجہ نہیں دے سکتی۔ جان رالس کے اسی فلسفے کی روشنی میں مغرب مذہب پر عمل کی محدود ترین آزادی دیتا ہے جو صرف اور صرف فرد کی ذاتی زندگی تک محدود ہے فرد سے مراد بس ایک نفس self ہے اس کے سوا اس کے بیوی بچے بھی other ہیں یعنی Hell isThe Other اور ان کی انفرادی آزادی میں فرد مذہب کی بنیاد پر مداخلت نہیں کرسکتا ورنہ وہ جیل جانے کے لیے تیار رہے۔ جرمنی کی چانسلر انجلینا مرکل کہا ہے کہ ہم مسلم عورت کو نقاب نہیں پہننے دیں گے یہ ہماری روایات کے خلاف ہے [تمام انگریزی

اخبارات ۸ دسمبر ۲۰۱۶ء] فرانس کے سابق اور موجودہ سرکوزی اور ہالینڈی نے مسلمانوں سے کہا ہے کہ وہ مغرب کی اقدار اختیار کریں اگر وہ ہماری اقدار قبول نہیں کرتے تو وہ چلے جائیں جرمنی کی ایک عدالت نے فیصلہ کیا کہ اسکولوں میں پڑھنے والی مسلم لڑکیوں کو لڑکوں کے ساتھ تیراکی کرنا ہوگی یہ ہماری اقدار ہیں [دس دسمبر ۲۰۱۶ء تمام انگریزی اخبارات]

ہالینڈ، جرمنی، سوئزلینڈ میں مسلمانوں نے مساجد کی تعمیر شروع کی مینار بنائے گئے تو حکومت اور عوام دونوں کو اعتراض ہوا کہ مسلمان ہماری زمین کا نقشہ [Land Scape] بدل رہے ہیں یعنی ان کی زمین کا نقشہ بدل رہا ہے کیوں کہ ان کی عمارات کا خاص لبرل اور سیکولر طرز تعمیر ہے جسے میناروں کی تعمیر سے تشخص کا خطرہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ لبرل ازم غیر اقداری Deontological نہیں اقداری Ontological ہے لہٰذا وہ ہر مذہب، قوم کو آزادی کے عقیدے کے نام پر مکمل آزادی نہیں دے سکتا یہ آزادی محدود ہے لامحدود نہیں ہے تو مذہب اسلام بھی تو یہی کہتا ہے اس پر لبرلز کو اعتراض ہے مگر لبرل ازم پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں حالانکہ لبرل ازم اصلاً مذہب دشمن ازم ہے یہ کسی مذہب کو گوارا کرتا ہے تو۔ صرف اس حد تک ۔ جب تک وہ مذہب لبرل اقدار، روایات، تاریخ کے لئے خطرہ نہ بنے لہٰذا آزادی کا دعویٰ اور یہ دعویٰ کہ تمام مذاہب ایک جیسے ہیں سب کو اپنی مرضی سے اپنے اصولوں کے تحت اپنے مذہب پر عمل کی مکمل آزادی ہے سب مذہب برابر ہیں ایک جیسے ہیں اور سب آزاد ہیں لبرل ازم کا ایک جھوٹا دعویٰ ہے۔

یورپی کورٹ آف ہیومن رائٹس کے سو سے زیادہ فیصلے ہماری نظر سے گزرے ہیں جس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ انسانی حقوق کے منشور کے تحت مذہبی آزادی کا دائرہ آزادی کے عقیدے کے تابع ہے مذہب کے صرف اتنے حصے پر عمل کی آزادی ہے جو آزادی، مساوات کے عقیدے سے نہ ٹکراتا ہو مذہب کا جو حصہ، مذہب آزادی، مذہب انسانی حقوق، مذہب لبرل ازم سے ٹکرائے گا مذہب کے اس حصے پر عمل کی بالکل آزادی نہیں ہوگی۔ لبرل ازم نے اپنے چہرے پر سو سال سے آزادی، غیر جانبداری اور مذہبی رواداری کی جو نقاب پہنی ہوئی تھی ٹرمپ، انجلینا مرکل، سرکوزی ہالینڈی، کے اعلانات کے بعد وہ نقاب اتر چکی ہے اسلام نے کبھی نقاب نہیں پہنی اس نے ہمیشہ یہ کہا کہ یہ الحق ہے یہ الباطل ہے باطل اور باطل کی حاکمیت کسی حالت میں قبول نہیں باطل اقلیت قبول ہے مگر اس کی حدود و شرائط ہیں اقلیت کسی مسلم اکثریت کے مساوی نہیں ہوسکتی

پوری دنیا میں مسلمانوں نے اپنے دور حکومت میں اس اصول پر عمل کیا اور کبھی کسی اقلیت کو تکلیف نہیں پہنچائی برنارڈ لیوس جان رالس، فرید زکریا، مائیکل مین سب اپنی کتابوں میں اس کا اعتراف کر چکے ہیں۔

اسلام کہتا ہے کہ کافر مسلمان کے برابر نہیں ہے مگر یہی بات تو لبرل ازم بھی کہہ رہا ہے تو اسلام اور لبرل ازم میں حقوق کے حوالے سے کیا فرق ہے؟ لبرل ازم بھی تمام حقوق اس کو دیتا ہے جو اس کے الحق کو مانتا ہے بلکہ وہ تو کسی اقلیت اور ذمی [Second Citizen] کو بھی برداشت نہیں کرتا وہ کہتا ہے آزادی کا عقیدہ قبول کرو ورنہ قتل کے لیے تیار رہو اسلام تو ذمی کو اقلیت کے طور پر رہنے کی آزادی عطا کرتا ہے اس کے باوجود تمام لبرل جھوٹ بولتے ہیں کہ اسلام میں کسی کو زندہ رہنے کی آزادی نہیں اسلام میں اقلیتیں خطرے میں ہیں حالانکہ اصل خطرہ اقلیتوں کو مذاہب عالم کو لبرل ازم سے ہے۔ اسلام میں اقلیتوں کو تحدیدات کے ساتھ زندہ رہنے کی آزادی ہے جو اللہ کا دشمن ہے وہ اللہ کی سرزمین پر اہل ایمان کے برابر درجہ نہیں رکھتا۔ مگر اسے قتل نہیں کیا جائے گا وہ ذمی، معاہد بن کر رہ سکتا ہے اقتدار، اختیار میں مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتا لبرل ازم کہتا ہے جو آزادی جمہوریت دستوری آئینی ریاست انسانی حقوق کو نہیں مانتا اسے قتل کردو وہ دہشت گرد ہے اسے زندہ نہ چھوڑو بش نے گیارہ ستمبر کی تقریر میں یہی کہا تھا کہ طالبان دہشت گرد ہیں ان سے کوئی مکالمہ نہیں ہوگا ان کے آخری آدمی کے خاتمے تک ان کا پیچھا کریں گے اب اوباما صاحب نے بیان دیا ہے کہ ہم طالبان کو ختم نہیں کر سکتے وہ آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں ہم میز پر بیٹھ کر مذاکرات کریں گے یہ لبرل ازم ہے اور یہ اسلام ہے۔

آزادی کے عقیدے کے دشمن کو گولی مار دو: ڈربن

ڈربن لکھتا ہے آئینی لبرل جمہوریت کے لیے کسی دلیل دینے کی ضرورت نہیں کوئی احمق ہی ہوگا جو ایسی آئینی جمہوری معاشرے میں رہنا پسند نہ کرے لبرل ازم کے مخالف احمقوں کو قائل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ان کا علاج صرف یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ رالز کے شارح ڈربن کے اصل الفاظ پڑھیے:

What Rawls is saying is that there is in a constitutional liberal democracy a tradition of thought which it is our

job to explore and see whether it can be made coherent and consistent... We are not arguing for such a society. We take for granted that today only a fool would not want to live in such a soceiety... If one cannot see the benefits of living in a liberal constitutional democracy, if one does not see the virtue of that .ideal, then I do not know how to convince him. To be perfectly blunt,sometimes I am asked,when I go around speaking for Rawls, What do you say to an Adolf Hitler? the answer is [nothing]. You shoot him. You do not try to reason with him. Reason hasno bearing on this question. So I do not want to discuss it (Burton Derben on Rawls & Political Liberalism *in the cambridge companion to Rawls* [ed.S.R.,Freeman] UK: Cambridge University Press USA 2003 Page 328-329)

مغرب سیکولر تعلیم اور آزادی کیوں مسلط کرتا ہے

لبرل ازم دنیا کا جابر ترین نظام زندگی ہے لوگوں کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ خود کو جدیدیت کے طے کردہ اہداف کے مطابق تبدیل کر لیں۔ اس جبر کی کہانی دنیا بھر میں دہرائی جا رہی ہے۔ تعلیم اور آزادی [*Education & Freedom*] وہ علمی و عملی آلات ہیں جن کے ذریعے مغرب خود کفیل معیشتوں [Independent Economies]، روایتی معاشروں، زرعی علاقوں کو سرمایہ کی معیشت (Capital Economy) کے پھیلاؤ کے لئے تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ جس طرح دین مدرسے کی تعلیم کے ذریعے محفوظ اور غالب ہوتا ہے بالکل اسی طرح جدید اسکول لبرل ازم کے عقیدہ آزادی اور مذہب کے خاتمے کی علمی، عملی بنیادیں مہیا کرتا ہے اسکول ان کے دین کے مدرسے ہیں جہاں سائنس کے مضمون کے ذریعے علت و معلول کا اصول بیان کر کے ہر بچے کو دین سے انحراف کا شعوری راستہ بتایا جاتا ہے۔

لبرل ازم کی پھیلائی ہوئی تباہی و بربادی کی یہ کہانی برطانیہ، یوروپ، امریکا سے لے کر تمام جنوب *South* اور ایشیا، افریقہ، مشرق وسطیٰ تک پھیلی ہوئی ہے روایتی معاشرے

معیشت معاشرت سیاست ثقافت اور مذہب کی تباہی و بربادی کے بغیر جدیدیت کے نظام ادارے، ارادے مسلّط نہیں کئے جاسکتے____ غامدی صاحب____ مغرب کے اجتہادات کی وکالت کررہے ہیں مغرب کے اجتہادات سیکولر تعلیم، ترقی، جدید معیشت اور جمہوریت کے ذریعے روایتی معاشروں کی بربادی کی مختصر کہانی لداخ کی سنگلاخ وادیوں میں لکھی جارہی ہے۔ وہ پڑھیۓ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے یہ اس بیان کا تصدیق نامہ ہے۔ جدید سیکولر تعلیم اصلاً مذہب انسانی حقوق کے نفاذ، نفوذ، فروغ، تسلط کے لیے جبری تعلیم ہے تاکہ دنیا کے سب لوگ اس تعلیم کے ذریعے غیر شعوری طور پر آزادی کا عقیدہ قبول کرلیں اور عملاً خدا کا انکار کردیں۔ اس تعلیم کے نتیجے میں فرد اپنے روایتی، آبائی، خاندانی پیشوں کاموں کو حقیر سمجھتا ہے اور شہروں میں بابو بننے کے خواب دیکھتا ہے نوے فی صد آبادی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہی کام کرتی ہے جو تعلیم کے حصول سے پہلے کرتی تھی اس وقت وہ خوشحال تھے تعلیم کے بعد نوکری کے ذریعے وہ ساری زندگی غلامی میں بسر کرتے ہیں گائی ایٹن نے King of the castle میں لکھا ہے کہ انیسویں صدی کے شروع میں امریکہ میں نوے فی صد لوگ اپنا کام کرتے تھے انیسویں صدی کے آخر تک نوے فی صد لوگ ریاست، کارپوریشن کمپنیوں کے ملازم تھے ذاتی کام تجارت سب ختم ہوگئے تھے ظاہر ہے سب غلام بنادیے گئے۔ کام Work اٹھارویں صدی سے پہلے کتنا ہوتا تھا، کیسے ہوتا تھا اس سلسلے میں G.Rist کی کتاب Delusion of Economics اور Dupre کی کتاب Human Nature & the limits of science میں نہایت نفیس مباحث ہیں مثلاً فرانس میں لوگ اٹھارویں صدی میں سال میں صرف 130 یا 150 دن کام کرتے تھے ، آسٹریلیا کے لوگ کیا کرتے تھے۔ سب کام گھر میں کیسے کرتے تھے ان کی معیشت خود کفیل کیوں تھی ان کی تمام ضروریات زندگی ان کو گھر میں کیسے میسر تھیں یعنی سروس سیکٹر کا وجود ہی نہیں تھا لوگ اپنے تمام کام خود کرتے تھے۔

پاکستان میں بھی رفتہ رفتہ مغربیت کا غلبہ ہورہا ہے۔ معین قریشی کو وزیر اعظم اسی لئے بنایا گیا تھا کہ پاکستان کی روائیتی معیشت کو اعداد و شمار کے جال میں جکڑ کر اس کا اندازہ کرکے اس پر ٹیکس لگایا جائے۔ آئی ایم ایف سے اسٹرکچرل ایڈجسٹمنٹ کے تمام معاہدے، اس مسلط کردہ وزیر اعظم نے کئے جس کے پاس پاکستان کا شناختی کارڈ بھی نہیں تھا۔ راستے میں، جہاز میں اس کا

کارڈ بنایا گیا۔ اس نے وہ معاہدے کئے جو کوئی منتخب وزیر اعظم نہیں کرسکتا تھا۔ جدید معیشت کو ٹیکس، بینک، اسٹاک مارکیٹ، قرض، سود کے دائرے میں لائے بغیر معیشت کے اصل حجم کا اندازہ ہی نہیں ہوسکتا۔ پاکستان کی معیشت دنیا کی مضبوط ترین معیشت ہے جس پر ۱۹۹۹ء کے جوہری دھماکے کے بعد پابندیوں سے کوئی اثر نہیں پڑا۔ ۲۰۰۷ء کے عالمی سرمایہ دارانہ بحران سے پاکستان کا کوئی ادارہ متاثر نہیں ہوا کیونکہ یہاں کی معیشت روایتی، مذہبی، اقداری اور بازار کی معیشت [Pure Traditional Economy] ہے۔ یہ مارکیٹ معیشت [Capital Economy] نہیں۔

مارکیٹ، بازار، دولت، سرمایہ: متضاد اصطلاحات:

مارکیٹ اور بازار [Market & Bazzar] اور سرمایہ اور دولت [Capital/Wealth] دو مختلف، متضاد اصطلاحات ہیں دو مختلف مابعد الطبیعیات سے نکلی ہیں ان اصطلاحات کو ایک دوسرے پر قیاس کرنا یا مترادف سمجھنا بالکل غلط طریقہ بلکہ قیاس مع الفارق ہے۔ ان اصطلاحات میں موجود بنیادی فرق کو سمجھے بغیر جمہوریت، سرمایہ داری، قرضے، لبرل ازم کے۔ یہ مباحث سمجھ میں نہیں آسکتے۔ امریکہ اور مغرب کی طرح اب جدید معیشت کے زیر اثر پاکستان میں Metro,Macro جیسے اسٹورز، تمام سبزی والوں، گوشت والوں کو نگل رہے ہیں جو لوگ اپنا کاروبار کرتے تھے وہی گوشت، سبزی والے اب ان اسٹورز میں کام کر رہے ہیں۔ رزق کے ننانوے حصے تجارت میں تھے، ماڈرن ازم کے بعد اب صرف ملٹی نیشنل کام کرتی ہے عام آدمی کے لئے تجارت میں حصہ کم ہوتا جارہا ہے مغرب میں تجارت سمٹ کر رہ گئی ہے۔ پاکستان کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ پاکستان میں آج بھی چھیاسی فیصد کاروبار حلال ہے یہ تجارت پر مبنی ہے اس میں سود یا سٹے کے بازاروں کا کوئی دخل نہیں یہ کاروبار، مارکیٹ، کارپوریشن، سود اور بنکاری نظام اور اسٹاک مارکیٹ اور ٹیکس کے نظام سے باہر ہے۔ صرف بائیس لاکھ لوگوں کے کھاتے بینکوں میں ہیں ٹیکس دینے والوں کی تعداد بہت کم پانچ لاکھ ہے مگر مغرب اور دنیا کے بڑے حصے میں آزاد تجارت، بازار ختم ہوگئے، مارکیٹ آگئی اور کارپوریشن نے سرمایے کی قوت سے تمام چھوٹے کاروبار ختم کرکے اربوں روپے کے بڑے کاروبار جاری کئے اور لوگوں کو اپنا غلام بنالیا ہے۔ پاکستان اس زمین پر روایتی، مقامی، تاریخی اور

مذہبی معیشت کی ایک علامت ہے جہاں آج بھی چھیاسی فی صد کاروبار اسٹاک مارکیٹ، بنکاری نظام، سود، سٹے کے بغیر روایتی، اسلامی، مذہبی بازاروں کی طرز پر ہورہا ہے برنارڈ لیوس نے اپنی ایک کتاب میں قرطبہ کے بازاروں کے اصول اور احکامات کے متعلق سرکاری فرامین نقل کیے ہیں پاکستانی معیشت کے بازار اسی اصول پر قائم ہیں اٹھارہویں صدی سے پہلے مغرب کی جدید معیشت سے پہلے تمام تہذیبوں میں سرمایہ Capitalاور سٹے کے بازار منی مارکیٹ، کیپٹل مارکیٹ اور تخلیق زر کا زری نظام موجود ہی نہیں تھا۔ ترقی کی رفتار بھی بہت کم تھی جدید مغرب نے اس قدیم نظام کو تباہ کردیا ہمارے پڑوس لداخ میں بھی روایتی معاشرت تہذیب معیشت تعلیم سب کچھ محفوظ تھا مگر وہ ختم ہوگیا۔

لداخ میں جدیدیت، لبرل ازم، جدید تعلیم، جدید معیشت اور مغربی عقیدوں نے کیا تباہی پھیلائی(Helena Noberg) کی تحقیقات کا خلاصہ اور ہماری تشریحات ہمارے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے۔

عہد حاضر کا انسان جدید تعلیم معلومات کے انبار اور علم کے دائرے میں فرق کرنے سے قاصر ہے۔ تیسری دنیا میں تعلیم کا مطلب ہے مغرب جیسا ہوجانا_____ جو مغرب جیسا ہوجاتا ہے وہی کامیاب اور کامران ہے لہٰذا علی گڑھ تحریک کی طرح تیسری دنیا پہلے مرحلے میں مغرب سے اس کی تہذیب ثقافت دنیا پرستی کے مظاہر ہر شعبۂ زندگی میں نہایت عقیدت اور مغلوبیت کے ساتھ قبول کررہی ہے یہ علم کا حصول نہیں ہے صرف غلامی کی مختلف صورتوں کا قبول عام ہے۔

حقیقی تعلیم اور علم میں اضافے کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، تاہم تیسری دنیا میں اس کا مطلب کچھ اور ہی بن گیا ہے۔ یہاں تعلیم کا مطلب بچوں کو ان کی ثقافت فطرت اُن کی تاریخ، تہذیب،، اقدار، معاشرت اور روایات، ان کے مذہب اور مابعد الطبیعیاتی اساسات سے محروم کرنا ہے۔ ان کی تربیت مغرب زدہ شہری ماحول میں تنگ ذہن ماہر کے طور پر کی جاتی ہے۔ یہ طریقہ کار خاص طور پر لداخ میں زیادہ اثر انداز ہورہا ہے۔ جہاں جدید تعلیمی نظام آنکھوں پر بندھی پٹی ثابت ہورہا ہے جو کہ بچوں کو اپنے ماحول، گردونواح، اپنے زمین و آسمان، اپنی مصنوعات، پیداوار، تخلیقات، اور قدرت کی بے شمار آیات، تجلیات کے براہ راست مشاہدے

سے محروم کررہا ہے۔ جب وہ اسکول سے فارغ ہوتے ہیں تو وہ اپنے ہی وسائل کو استعمال کرنے اور سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اپنی دنیا میں کام کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ وہ تعلیم سے فراغت پاتے ہی دنیا کے ہر کام سے فارغ ہوجاتے ہیں اور کسی اچھی نوکری کا انتظار کرتے ہیں۔ ان کی پہلی اور آخری خواہش اپنے پسماندہ وطن سے نقل مکانی ہوتی ہے۔

مدرسوں میں دی جانے والی مذہبی تربیت کے سوائے لداخ کے روایتی نظام میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جس کو آپ مغرب کی اصطلاح میں تعلیم کہہ سکیں۔ تعلیم فرد کے اپنی برادری اور ماحول کے ساتھ یگانگت کے لافانی رشتے کے نتیجے میں ظہور پذیر ہونے والے عمل، حکمت اور جامعیت کا نام ہے ظاہر ہے مغرب کی اصطلاح کے مطابق تعلیم نہ دی جائے تو وہ تعلیم جہالت بن جاتی ہے۔ مغرب کے سوا پوری دنیا جاہل ہے لہٰذا جب تک دنیا مغرب کے بتائے ہوئے طریقے سے تعلیم حاصل نہ کرے وہ جاہل ہے، مغرب سب کو اپنی طرح تعلیم یافتہ بنانا چاہتا ہے۔ اسے سفید آدمی کا بوجھ(white man burden) کہا جاتا ہے وہ اپنا بوجھ پوری دنیا پر لادنا چاہتا ہے۔ جدید سیکولر اسکول کھلنے سے پہلے لداخ میں بچے اپنے دادا دادی، نانا نانی، خاندان، دوستوں، رشتے داروں، بڑوں، بزرگوں اور قدرتی ماحول سے عقلی علوم حاصل کرتے، دانش آبائی سیکھتے، ہنر حاصل کرتے اور متنوع میدان ہائے علم کی معلومات و تجربات بلا معاوضہ فطری طریقے سے حاصل کرتے تھے مگر جدید نظام تعلیم میں حصول علوم کے ان روایتی، عملی، فطری طریقوں کو علم نہیں جہالت ثابت کیا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر بیج بونے میں مدد کے دوران انہیں تجربے سے بخوبی معلوم ہوتا تھا کہ گاؤں کا ایک حصہ گرم اور ایک حصہ ٹھنڈا ہے۔ بچے اپنے ہی تجربے سے ج۔و[Barley] کی مختلف نسلوں کے درمیان فرق سمجھتے ہیں اور ہر نسل کی افزائش کے موسم کا اندازہ لگاتے ہیں۔ وہ چھوٹے سے چھوٹے پودے کی شناخت کرسکتے ہیں، نیز یہ بھی جانتے ہیں کی کسی خاص جانور کو کس طرح پہاڑیوں پر چڑھانا ہے۔ وہ روابط، عمل اور تبدیلی اور ان کے درمیان تبدیل ہوتے تعلق کو سیکھتے ہیں۔

جیسے جیسے جدید سیکولر لبرل تعلیم بھارت، تبت، لداخ، پاکستان جیسے روایتی علاقوں میں عام ہورہی ہے اور جڑ پکڑ رہی ہے۔ اس کے نتیجے میں گاؤں دیہاتوں میں کھیتی باڑی کے لئے نہ کسان دستیاب ہیں نہ جانوروں کو چراگاہوں تک لے جانے کے لئے بچے میسر ہیں۔ یہ سب کام

کون کرے گا؟ ملٹی نیشنل کارپوریشن، حکومت، یا NGO'S۔ کیا یہ تمام کام علم نہیں، معیشت نہیں، ضروریات زندگی کے لیے لازم نہیں۔ جدید تعلیم روایتی انسان کو ان تمام حقیقی امور بلکہ ضروریات زندگی تک سے لاتعلق کرتی ہے اور ان کاموں کو غلط، بے کار اور حقیر ٹھہرا دیتی ہے۔ اور ان کا حل پیش کرتی ہے کہ پیسے کماؤ اور بازار سے جا کر ملٹی نیشنل کارپوریشنوں سے ضرورت کی چیزیں خرید لو ان کو اگانے پیدا کرنے محنت کرنے اور وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے اور جدید انسان ان باتوں کو تسلیم کر لیتا ہے لہٰذا اسے اپنی گائے کے تھن سے دودھ نکالنا اپنے گھر میں سبزی پھول اگانا، اپنے ہاتھ سے مکھن بلونا، جانور کو چرانا، اس کی گندگی اٹھانا، اپنے کھیت میں فصل اور پھل لگانا احمقانہ کام نظر آتا ہے۔ وہ اب جاہل نہیں ہے وہ بہت مہذب (civilized) ہو گیا ہے۔

روایتی تہذیبوں اور قدیم معاشروں کی طرح لداخ میں بھی تعلیم زندگی سے جڑی ہوئی اس حقیقی زندگی سے نکلی ہوئی ایک روایت تھی جس کے لئے اربوں کھربوں کی عمارتیں کتابیں تنخواہیں اور غیر ملکی امداد کی ضرورت نہ تھی۔ جدید تعلیم گاہوں کی طرح نظری علم سے زیادہ عملی علم روایتی معاشروں کا طریقہ تھا اور لداخ میں آج بھی موجود ہے فطرت کے مکتب، بزرگوں کی صحبت، ماہرین فنون کی رہ نمائی میں ایک بچہ اخلاق آداب تہذیب کے بندھنوں میں یہ تعلیم بغیر کسی معاوضے، دور دراز کے سفر سے بچتے ہوئے اپنے گردونواح میں اپنے ہی بزرگوں سے بہترین طریقے پر حاصل کرتا تھا۔

لداخی نسلوں سے یہ جانتے ہیں کہ کس طرح اپنے لیے خوراک، ضروریات زندگی، کپڑے اور مکان کا انتظام کرنا ہے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ یاک کی کھال سے جوتے کیسے بنائے جاتے ہیں اور بھیڑ کی کھال سے اون اور دھاگے کیسے تیار کئے جاتے ہیں۔ پتھر اور مٹی کے گھر کس طرح تعمیر ہوتے ہیں۔ تعلیم محل وقوع سے مخصوص اور ماحول میں موجود زندہ اجسام کے ساتھ محبت کے تعلق کے ساتھ دی جاتی تھی یہ بچوں کو وجدان کا شعور عطا کرتی تھی، اور جیسے جیسے وہ بڑے ہوتے جاتے تھے ان کو اپنے ارد گرد موجود، میسر، دستیاب تمام قدرتی، انسانی، مصنوعی، تخلیقی وسائل کے مؤثر استعمال کا شعور آ جاتا تھا۔

یہ علم ان میں اعتماد، اپنے آپ پر انحصار اور دوسروں سے بے نیازی کا رویہ سکھاتا تھا

اس روایتی علم کو حاصل کرنے والے کسی سے قرضہ بھیک خیرات [Loan/grant/aid] نہیں مانگتے وہ خود کفیل معیشت رکھتے تھے۔ اس تعلیم تدریس تربیت کے نتیجے میں دوسروں کی طرف دیکھنے امداد خیرات مانگنے کے بجائے خود انحصاری اور خودنگری کا حقیقی مزاج بھی پیدا ہوتا تھا اس طرح کا کوئی علم جدید لبرل سیکولر اسکولوں میں نہیں دیا جاتا۔ بچوں کو مغربی، یوروپی ٹیکنالوجی کے معاشرے کے متعلق سکھایا جاتا ہے نہ کہ ماحولیاتی معاشرے کے متعلق جو بچے کے سامنے موجود ہے۔ ٹیکنالوجیکل معاشرے میں فرد کوئی کام نہیں کرتا ہر کام مشین کرتی ہے اور ہر چیز پیسے سے ملتی ہے۔ دوسرے معنوں میں آپ کارپوریشنوں کے غلام بن جاتے ہیں۔ آپ صرف ایک صارف (consumer) ہوتے ہیں۔ آپ کچھ پیدا نہیں کرتے، آپ صرف سرمایہ (Capital) اپنے لیے پیدا کرتے ہیں تا کہ وہ سب چیزیں بازار سے خرید سکیں جو روایتی معاشروں کے صحن، چار دیواری اور گردونواح میں موجود تھیں۔

عہد حاضر میں اسکول وہ مقام بن گیا ہے جہاں بچے روایتی مہارتوں کو بھول جاتے ہیں بلکہ افسوس ناک ترین بات یہ کہ وہ اپنے ہی علوم وفنون کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں لداخ سے لے کر تھرپارکر تک اور پاکستان کے شمالی علاقہ جات، قبائلی اور سرحدی علاقوں میں یہی صورت حال ہے۔ روایتی معاشروں کے بچے جدید بننے کے لیے مغرب کی مہیا کردہ ان بے کار مہارتوں کے حصول کی کوشش کرتے ہیں جو مغرب کی ایجاد ہیں اور قرضے، بھیک، خیرات، امداد کے بغیر ان کا حصول ناممکن ہے یہ جدید نصاب تعلیم اور نصاب تعلیم کا لازمی نتیجہ ہے جو اسی مقصد کے حصول کے لئے تخلیق کیا گیا ہے کہ اپنی تاریخ، اپنے موسم، اپنے آبائی علاقوں، اپنے علوم فنون، روایات، مہارتوں، اوزار آلات کو مسترد کروا دو اور مغربی علوم وٹکنالوجی کو اختیار کر کے مغرب جیسے ہو جاؤ۔

لداخ کے بچوں کو اب اپنے موسم، ماحول، پھولوں، پھلوں، درختوں، پودوں، جڑی بوٹیوں، نبات، حیوانات، قدرتی وسائل تاریخ، اقدار، روایات کے بارے میں کچھ نہیں معلوم وہ ہواؤں میں بدلتے موسم کا منظر محسوس نہیں کرتے نہ اب ستارے ان کو راستہ بتا سکتے ہیں حالانکہ اندھیری راتوں اور راستوں میں ہزاروں سال سے ستارے راستہ بتا رہے تھے لیکن اس کے لیے ایک خاص علم، مہارت اور محنت مشق اور تجربے کی ضرورت ہے ماحولیات سے غیر متعلق جدید سیکولر

لبرل تعلیم آیات کائنات سے بھی انسان کو غیر متعلق کردیتی ہے لہٰذا ایک چمکتا ہوا تارہ جدید انسان کے لئے بس ایک جمالیاتی وجود کے سوا کچھ نہیں بس اچھا لگتا ہے ۔اس کا ہدایت، رہنمائی ،اندھیروں میں دستگیری سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا۔یہی صورت حال ایشیاء و افریقا کے تمام ترقی پذیر ممالک کو درپیش ہے سب اپنی تاریخ ماحول اور موجود سے منقطع ہو چکے ہیں۔یہ کام نہایت سلیقے ،قرینے سے ،طریقے سے نہایت نرمی ،محبت ،ہمدردی کے ساتھ جدید تعلیم کرتی ہے۔اسے [Soft policy] کہتے ہیں یعنی کسی قوم پر تہذیبی علمی ثقافتی یلغار اور خاموش انقلاب کے ذریعے قبضہ۔کیوں کہ کسی تہذیب کی علمیت کو شکست دیے بغیر دوسری تہذیب کی علمیت کا غلبہ کبھی ممکن نہیں ہوتا۔

لداخی اسکولوں میں مغربی تعلیم ۱۹۷۰ء کی دہائی میں آئی تھی۔اب یہاں پر تقریباً سو اسکول موجود ہیں۔بنیادی نصاب ہندوستان میں پڑھائے جانے والے نصاب کی ناقص نقل ہے، جو کہ خود برطانوی نظام تعلیم کی نقل ہے۔نقل در نقل نظام تعلیم بچوں میں خلاقانہ صفات پیدا کرنے سے قاصر اور صدیوں کی دانش و بینش اور گہرائی و گیرائی جدید نسل میں منتقل کرنے سے عاجز ہے اس میں لداخ کے حوالے سے کچھ بھی نہیں ہے۔

لداخی طلبہ اسکول میں جو کچھ بھی پڑھتے ہیں اس علم کا ان کی حقیقی ،واقعی ،جیتی جاگتی ،دوڑتی بھاگتی ،عام زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ اس نظری علم کا کوئی عملی فائدہ ہے۔یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ نیویارک ،ایران یا برلن کے شہریوں کے لیے تیار کردہ نصاب پڑھتے ہیں۔وہ ان لوگوں کا تحریر کردہ نصاب پڑھنے پر مجبور ہیں جنہوں نے لداخ میں کبھی قدم بھی نہیں رکھا۔جو کہ ۱۲،۰۰۰ فٹ پر جو [Barley] اگانے ،اور سورج سے خشک کر کے بنائی جانے والی اینٹوں کے مکانات کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔

یہ معاملہ صرف لداخ کے ساتھ نہیں ہے، وہ عمل جس کو تعلیم کا نام دیا گیا ہے وہ یکساں درآمدی طرز تعلیم Eurocentric Model of education ماڈل پر مشتمل ہے۔
اس کا محور کائنات کا علم یا Univerasal knowledge سے متعلق دور دراز کے اعداد و شمار ہیں۔جدید نصابی کتابیں ایسی معلومات کی ترویج کرتی ہیں جو کہ پورے سیارے [Planate] کے لیے کارآمد ہو سکیں یہ تصور بھی محض خیالی [Utopia] ہے ایک سی تعلیم اسی وقت فائدہ مند ہے

جب دنیا بھر میں موسم بھی ایک ہو ماحول بھی ایک ہو اور ضروریات زندگی بھی یکساں ہوں اور لوگ بھی بالکل ایک جیسے ہوں۔سب لوگوں کو ایک طرح کی تعلیم دینا ایک طرح کی خوراک کارپوریشن اداروں کے ذریعے مہیا کرنا ایک طرح کے طریقے طرز زندگی معیشت سکھانا اصلاً عالمگیر نوآبادیاتی نظام [Universal colonization] اور لوگوں کے ذہنوں کو شاہ دولہ کے چوہے بنا کر نوآبادی کے غلام بنا کر [Colonize] کرنا ہے۔

بلوچستان کے ایک علاقے آواران میں چند سال پہلے زلزلہ آیا امدادی ٹیم گئی تو معلوم ہوا کہ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا گھر سیدھے سادے قدرتی اشیاء کے بنے ہوئے تھے ان کے گرنے سے کوئی جانی نقصان نہ ہوا امدادی ٹیم سامان لے کر گئی تو کوئی دوڑ کر چھیننے ،جھپٹنے ،لوٹنے کے لیے نہیں آیا سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہے انہوں نے کہا کہ وہ ایک جگہ جو ڈھیر ہے یہ تمام سامان وہاں رکھ دیں ہمارے علاقے کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی سامان گھر لے جا کر جمع نہیں کرتا سامان ایک جگہ اکٹھا کر دیا جاتا ہے جس کو جو ضرورت ہوتی ہے وہ یہاں سے لے جاتا ہے بچوں کو نقد پیسے دیے گئے مگر وہ لینے کے لیے تیار نہ تھے زبردستی پیسے دیے گئے تو وہ رقم اپنی ماؤں کو دے کر واپس آ گئے کسی نے دوبارہ پیسے نہیں مانگے۔علاقے میں زمین سخت گرم تھی اتنی گرم کہ ٹیم کے اراکین جو ملٹی نیشنل کمپنیوں کی چپلیں جوتے پہنے ہوئے تھے گرمی سے پریشان تھے مقامی لوگ مقامی اشیاء سے بنی ہوئی مقامی چپلیں پہنتے ہیں جب وہ چپلیں پہنی گئیں تو وہ بالکل ٹھنڈی تھیں چند سال بعد یہاں یہ مقامی چپلیں ختم ہو جائیں گی کیوں کہ یکساں استعماری تعلیم اور یکساں استعماری معیشت کے ساتھ جسے اپنے آفاقی [Universal] ہونے کا جھوٹا دعوی ہے مغرب کا تخلیق کردہ یکساں طرز زندگی بھی مسلط ہوگا اس کو مغرب تنوع [Diversity] کہتا ہے وہاں یکسانیت [Uniformity] تنوع کا مترادف ہے۔ مارکیٹ کا جبر۔ان روایتی چپلوں کو خود ختم کردے گا ریاست اس جبر کو روکنے کے لیے کچھ نہیں کرے گی جس طرح قدیم مشروبات ختم کیے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ کوک پیپسی لے رہی ہے۔

ہم نے اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مارکیٹ کے جبر نے بلبلے بنانے والی روایتی کاری گری [Technic] کو ختم کر کے عام آدمی کا روزگار چھین کر اس گھریلو صنعت کو ختم کر کے ڈیڑھ سو روپے میں بلبلے والی مشین بنا دی ہے جو پلاسٹک کی ہے جس کی مشین درآمد

ہوتی ہے زر مبادلہ ضائع ہوتا ہے آلودگی پھیلتی ہے جسے ہر ایک خرید نہیں سکتا پہلے غریب لوگ لوہے کے تار اور ڈنڈی سے بلبلے بنانے والی دیسی مشین پانچ دس روپے میں بنا کر بیچتے تھے یہ روزگار تھا اور سستی چیز میسر تھی۔ ہر بچہ اسے استعمال کر سکتا تھا اب تو اس مشین کو خریدنا سب کے لیے ممکن نہیں جلدی ٹوٹ جاتی ہے پلاسٹک کا کوڑا پیدا کرتی ہے کام وہی کرتی ہے جو ایک عام آدمی اپنی مشین سے لیتا تھا۔ یہ ہے سرمایہ اور مارکیٹ کا جبر جس سے ہم واقف ہی نہیں ہیں اور مسلسل اس نظام کی عظمت کے ترانے گا رہے ہیں۔

میرے ایک عزیز دوست جو اس قافلے میں شامل تھے جب بلوچستان کے زلزلہ زدہ علاقے آواران کے بچوں کے اخلاق، بے غرضی، دنیا سے لاتعلقی کی کہانی سنا رہے تھے تو راقم نے بے ساختہ سوال کیا میرا خیال ہے کہ وہاں اسکول نہیں ہوں گے کیوں کہ اسکول کی تعلیم سے اتنے مہذب بچے نہیں نکل سکتے جو اپنی اقدار روایات کے جامع ہوں ان کو حیرت ہوئی کہنے لگے آپ کو کیسے پتہ چلا۔ واقعی اس علاقے میں ابھی تک کوئی اسکول نہیں ہے کراچی کے تمام اچھے بڑے سیکولر اور مذہبی سیکولر اسکولوں میں بھی بچوں کو سختی سے یہ سبق دیا جاتا ہے کہ اپنا کھانا، اشیائے خور ونوش کسی دوسرے بچے کو نہ دیں وقفے میں سب بچے مل بیٹھ کر ایک دسترخوان پر نہیں کھاتے الگ الگ کھاتے ہیں اس ماحول سے نکلنے والا بچہ ایک مفاد پرست شخص ہی ہو سکتا ہے۔

وہ علم جسے عالم گیر طور پر قابل قبول علم کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے، مخصوص ثقافت اور ماحول سے لاتعلق کر دیا گیا بلکہ یہ ایک تجریدی [Abstract] پیچیدہ، لایعنی علم ہے جس کا دنیا کے اکثریتی علاقے کی حقیقی زندگی سے ذرہ برابر بھی تعلق نہیں یہ علم اور جدید سیکولر تعلیم جو ایک خاص تہذیب اور خاص ثقافت اور ایک خاص تاریخی تجربے کے نتیجے میں اٹھارہویں صدی کے مغرب میں پیدا ہوا جو اپنے تاریخی روایتی مذہبی معاشرے کی اقدار سے بغاوت کر کے ایک جدید الحادی مادہ پرستانہ تہذیب کی بنیاد رکھ رہا تھا جو انسانی انفرادی آزادی لذت پرستی ترقی اور انسان پرستی کے جدید خداؤں کی پرستش کے لئے تخلیق کیا گیا تھا جدید تعلیم انھی مقاصد کی ترجمان ہے ایک خاص تاریخ و تہذیب سے نکلنے والے نظام تعلیم کو دنیا نے اکثر جبر اور بہت سے مقامات پر تابعدار غلاموں کی نیاز مندی کے ذریعے قبول کر لیا ہے لہٰذا اس تجریدی نظام اور نصاب تعلیم کو ذہنی غلاموں نے ایک آفاقی نظام تعلیم کے طور پر تسلیم کر لیا ہے اس نظام سے نکلنے والی نسل کو تباہی سے

روکنے والی کوئی قوت سرے سے موجود ہی نہیں ہے مغرب کے حامی اور اس کے دشمن بھی اس نظام کو عالمی آفاقی غیر اقداری خلاقانہ روایات کا حامل نظام تسلیم کر چکے ہیں۔ اندھیرا جب اس حد تک چھا جائے کہ وہی روشنی کا متبادل بن جائے تو زوال کی رات مزید گہری ہو جاتی ہے۔ پوری دنیا اور خصوصاً مشرق وسطیٰ، افریقا، ایشیا۔ تیزی سے زوال کی اس رات کی سیاہی میں مزید اضافہ کر رہے ہیں، ایسی صورت حال میں بچے جو کچھ پڑھ رہے ہیں وہ بالکل مصنوعی ہے اور زندگی کے حقیقی تناظر سے دور ہے۔

لداخ کے بچے جب اعلیٰ تعلیم کی طرف جاتے ہیں تو مکان تعمیر کرنا سیکھتے ہیں لیکن یہ تعمیر سیمنٹ اور لوہے کے Universal boxes کی شکل میں سیکھتے ہیں۔ یہ چیزیں ان کے اردگرد موجود نہیں یہ درآمد ہوں گی اسی طرح اگر وہ زراعت کا علم حاصل کرتے ہیں تو وہ صنعتی کاشتکاری، کیمیائی کھادوں اور کیڑے مار دواؤں (Pesticides)، بڑی بڑی مشینوں اور مخلوط بیجوں کے متعلق پڑھتے ہیں۔ روایتی کاشت کاری خود انحصاری پر مبنی تھی مشینی کاشت کاری صرف خریداری اور بہت بڑے پیمانے پر درآمدات [Import] پر مبنی ہے اس کے نتیجے میں ان کی خود مختار خود انحصار معیشت روایتی معیشت کے دائرے سے نکل کر جدید سرمایہ کی معیشت [Capital Economy] میں تبدیل ہوگئی جہاں سرمایہ اور پیسے کے بغیر زندگی گزاری نہیں جا سکتی روایتی معاشروں میں پیسے کا عمل دخل بہت کم تھا لوگ خود کفیل ہوتے تھے اور اشیاء کا تبادلہ ہوتا تھا صرف عیش کرنے کے لیے پیسے کی ضرورت ہوتی تھی حقیقی ضروریات زندگی کے لیے پیسے کی ضرورت نہ تھی حتیٰ کہ لداخ میں لوگ بالکل صحت مند تھے کوئی بیمار نہیں تھا۔ Helena Noberg نے جب لداخیوں کو بتایا کہ مغربی ممالک میں سب لوگ ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں تو ان کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ یعنی لداخ میں بیماری، ہسپتال، ڈاکٹر، ایک حیران کن بات تھی۔

I told them that in my country many people were so unhappy that they had to see a doctor. Their mouths would drop open and they would stare i disbelief. It was beyond their experience. A sence of deep rooted contentedness was something they took for granted.

کچھ یہی صورت حال بی بی سی کے براڈ کاسٹر رضا علی عابدی کو ۱۹۹۵ء میں درپیش ہوئی جب وہ ریڈیو سے اپنا سفر نامہ شیر دریا پیش کررہے تھے۔ یہ سفر نامہ سنگ میل پبلی کیشنز نے شائع کیا ہے اس سفر کے دوران وہ چلاس پہنچے جہاں کی آبادی تین لاکھ تھی پوری وادی میں نہ ڈاکٹر، نہ ہسپتال، نہ میٹرنٹی ہوم، انھیں حیرت ہوئی کہ بچے کیسے پیدا ہوتے ہوں گے کیوں کہ جدید انسان یہی سمجھتا ہے کہ دفتر[Office] کے بغیر کام نہیں ہوسکتا گاڑی[Vehical] کے بغیر سفر کیسے ممکن ہے صابن کے بغیر صبح نہیں ہوسکتی ٹوتھ پیسٹ کے بغیر دانت کیسے صاف ہوں گے اور میٹرنٹی ہوم کے بغیر بچے کیسے پیدا ہوں گے کیونکہ وہ اپنی تاریخ، تجربے، زماں ومکاں کا قیدی ہے اس سے ماورا ہوکر سوچ ہی نہیں سکتا حالانکہ تاریخ کے دو پیغمبر قرآن کے مطابق میٹرنٹی ہوم کے بغیر پیدا ہوے حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ اور آخری پیمبر کی ولادت بھی تاریخ کے مطابق میٹرنٹی ہوم کے بغیر ہوئی آج بھی دنیا میں اربوں جانور، پرندے، درندے چرندے حشرات الارض ہاتھی اونٹ کے بڑے بڑے بچے بھی فطری طریقے سے میٹرنٹی ہوم کے بغیر پیدا ہوتے ہیں۔

چلاس کے ڈپٹی کمشنر کی بیگم ڈاکٹر تھیں اور گھر پر لوگوں کا علاج وغیرہ کرتی تھیں رضا علی عابدی نے ان کا انٹرویو لیا تو انھوں نے بتایا یہاں کی عورتوں کی صحت بالکل ٹھیک ہے بالکل دبلی پتلی ہوتی ہیں صحت کا راز یہ ہے کہ صبح سے رات تک گھر کے کام کرتی رہتی ہیں ایک ایک عورت کے دس بارہ بچے ہوتے ہیں۔ فطری زندگی بسر کرنے والوں کے بچے بھی فطری طریقے سے پیدا ہوتے ہیں ظاہر ہے عہد حاضر کے جدید انسان کے لیے یہ باتیں حیران کن بلکہ ناقابل یقین ہیں۔

اس کے برعکس مغرب کا بہت بڑا فلسفی رچرڈ رارٹی جو لداخ جیسے فطری علاقے میں نہیں بلکہ جدید مغرب کے جدید ملک امریکہ میں پیدا ہوا، جہاں بیماری، ہسپتال، ڈاکٹر کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کرسکتا مغرب میں ہر شخص دو تین چار بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہے ہر شخص ماہر نفسیات اور Thraphist سے رجوع کرتا ہے معروف کتاب Habbits of the Heart پڑھ لیجیے ہر شخص میڈیکل انشورنس کرانے پر مجبور ہے، لہٰذا رچرڈ رارٹی اپنی ایک تقریر میں یہ سوال اٹھاتا ہے۔

Every body agrees it is absolutely wrong to refuse sick children medical help,but no body agrees on how the

doctor's bill is to be paid.

ظاہر ہے رچرڈ رارٹی جس تاریخ وتہذیب میں پیدا ہوا ہے وہاں ہر شخص، بیمار، نفسیاتی مریض، پاگل ہوں، ہر شہر میں پاگل خانہ موجود ہے یہ اس کا ذاتی مقامی قومی تجربہ ہے مگر وہ اسے ایک آفاقی حقیقت سمجھتا ہے لیکن دنیا بھر میں صورت حال ایسی نہیں ہے فطری زندگی بسر کرنے والے کئی علاقوں میں آج بھی لوگ بالکل صحت مند ہیں لداخ کی مثال ایسے ہی علاقوں میں سے ایک علاقے کی ہے جس انسان کے تجربات تک مختلف ہیں اس انسان کے لیے دنیا بھر میں یکساں نظام تعلیم، نظام معیشت نظام سیاست اور نظام معاشرت کا جبری تسلط بدترین بہیمیت ہی نہیں عقل مندی کے بھی خلاف ہے۔ لیکن لبرل ازم آفاقیت کے نام پر اس بہیمیت کا قائل ہے وہ ساری دنیا کو اپنی تعلیم تہذیب ثقافت معیشت میں جبراً رنگنا چاہتا ہے کیوں کہ وہ اسے قطعی الحق سمجھتا ہے مغرب تمام سچائیوں کا انکار کرتا ہے مگر خود اپنے Mega Narratives کو آفاقی دعووں کے ساتھ پیش کرتا ہے وہ ان دعووں پر پوسٹ ماڈرن ازم کی نہایت عاقلانہ تنقید کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔

یہ روایتی معاشرہ جو اٹھارویں صدی میں جدید صنعتی سائنسی سرمایہ دارانہ ترقی سے پہلے پوری دنیا میں زندہ وتوانا تھا__ لداخ میں ۱۹۷۵ء تک نہایت کامیابی سے چل رہا تھا لوگ خوش حال اور مطمئن تھے مگر اب بدحال ہیں۔

۱۹۷۵ء میں لداخ میں کوئی غریب نہیں تھا آج وہاں کوئی امیر نہیں ہے کیوں کہ پیمانے بدل گئے ہیں جدید تعلیم سب سے پہلا کام یہ کرتی ہے کہ وہ دنیا کی ہر تہذیب معاشرت مذہب کی ما بعد الطبیعیاتی اساسات کو بدلتی ہے تاکہ سوچنے، سمجھنے، برتنے اور جاننے پرکھنے کے پیمانے بدل جائیں۔ اب غربت وامارت کو ناپنے کا پیمانہ لداخی تہذیب یا ان کے مذہب اور ان کے زمین و آسمان سے نہیں مغرب سے آتا ہے پیمانہ بدل جائے تو جو شے کل تک سیدھی تھی آج الٹی نظر آتی ہے لداخی کل تک اپنے پیمانے کے مطابق امیر تھے جیسے ہی جدید تعلیم اور میڈیا کے ذریعے انھوں نے مغرب کا پیمانہ لیا وہ فوراً غریب ہوگئے اور اب ترقی کے ذریعے اپنی غربت دور کرنے کی کوشش کررہے ہیں حالانکہ اسی ترقی نے ان کو فی الحقیقت غریب کردیا ہے اب وہ ہمیشہ غریب ہی رہیں گے۔

تیسری دنیا اور جنوب South کے تمام ملکوں کی کہانی لداخ کی کہانی میں سموئی ہوئی

ہے۔آج لداخ والے خود کو سب سے زیادہ غریب اور دنیا کا سب سے زیادہ محروم طبقہ تصور کرتے ہیں یہ تعلیم اور میڈیا کے ذریعہ فکر ونظر کے سانچوں کو تبدیل کر دینے کا فطری نتیجہ ہے جدید سیکولر تعلیم آپ کے سوچنے سمجھنے کے پیمانے بدل دیتی ہے حتیٰ کہ آپ کے سونے جاگنے کے اوقات کھانے پینے کی عادتیں، محبت ونفرت کے پیمانے حتیٰ کہ آپ کے خواب خیال تصورات ، اقدار، روایات بلکہ خوشبو اور بدبو کے پیمانے بھی بدل دیتی ہے۔ کراچی میں آپ کسی بچے کو دیسی گھی کھلائیں تو وہ کہے گا اس گھی سے بدبو آرہی ہے کیوں کہ اس بچے نے ڈالڈا کا نقلی گھی کھایا ہے جو خوشبو سے خالی ہے۔مغربی نظام تعلیم ہمیں سب سے زیادہ ناقص بنا رہا ہے، یہ پوری دنیا کے لوگوں کو عالم گیر سطح پر یکساں وسائل کے استعمال کی تبلیغ کرتا ہے، اور اس میں ان وسائل کو کلی طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو کہ مختلف معاشروں کو ان کے ماحول سے قدرتی طور پر ملتے ہیں۔ پاکستان ، بنگلہ دیش، سری لنکا، بھارت اور لداخ کے بہت سے علاقوں میں آج بھی لوگ اپنے ہاتھ سے چپّل جوتے ہی نہیں بنیادی ضروریات کی تمام اشیاء اپنے لیے خود پیدا کرتے ہیں اور خام مال سے ضرورت کی تمام چیزیں خود بناتے ہیں مگر یہ ہنر اعلیٰ تعلیم آنے کے بعد ختم ہو جائیں گے پھر جوتے ،غذائیں دودھ، دال، چاول اور تمام اشیائے ضروریات درآمد کئے جائیں گے۔ جدیدیت اور جدید تعلیم علاقائی جغرافیائی اور حقیقی معیشت [Real Economy] سے فرد کا رشتہ توڑ کر اسے تعلیم کے ذریعے ایک آفاقی معیشت کا خواب دکھاتی ہے جس میں انسان کسی صنعت یا سروس سیکٹر میں غلامی کا فریضہ انجام دیتا ہے اور اس پر راضی رہتا ہے آفاقیت کے نام پر یہ عالمی کالونائزیشن [Universal Coloniozation] کا منصوبہ ہے جس کی کسی سطح پر کوئی مزاحمت نہیں ہے۔

Three cups of Tea کے جاہل غبی مصنف کو دنیا کی اٹھارہ یونیورسٹیوں سے تعلیم میں پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگری اسی لیے دی گئی کہ اس نے شمالی علاقہ جات کے ان مذہبی روایتی علاقوں میں سکولر تعلیم کے اسکول کھول دیے جہاں ان کی اجازت نہ تھی اور جہاں کی تہذیب معاشرت معیشت سے اس تعلیم کا کوئی تعلق نہیں تھا اس نے سب سے پہلے ایک شیعہ عالم دین کو اس کام پر آمادہ کیا جیسے ہی شیعہ علاقے میں سیکولر تعلیم کے اسکول کھلے سنی علاقوں نے یہ سمجھا کہ وہ ہم سے آگے نکل جائیں گے لہٰذا ان کے علاقے بھی ان اسکولوں کے لیے کھل گئے جو کام امریکی

فوج نہیں کر سکی وہ کام ایک جاہل آدمی نے کر ڈالا۔ اب ان علاقوں میں تعلیم حاصل کرنے والے تیزی سے شہر منتقل ہو رہے ہیں جدید سیکولر تعلیم ان کی اقدار، روایات، رویے، طرز زندگی سب کچھ تہس نہس کر رہی ہے اور لوگوں کو ان کی جڑوں سے اکھاڑ کر شہروں کی طرف ہانک کر ان پچاس منزلہ ڈربوں، فلیٹوں، کھوکھوں، کابکوں میں رہنے پر راضی کر رہی ہے اپنی جنت چھوڑ کر یہ شہروں کے جہنم میں جلنے پر خوش ہیں بوڑھے عمر رسیدہ آخر میں وہاں رہ جائیں گے پھر ملٹی نیشنل کارپوریشن یہ علاقے خرید لیں گی جدیدیت کا سب سے بڑا کارنامہ اور سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ اسے قبول کرنے والا سب سے پہلے اپنی تاریخ کا انکار کرتا ہے اپنے ماضی اور حال کو اپنی تہذیب، تاریخ، مذہب، اقدار، روایات کو حقیر، بدترین، ذلیل، گھٹیا سمجھتا ہے اور خود کو مغرب کے پیمانوں کے مطابق ڈھالنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور اس کی ہر قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہر وقت آمادہ رہتا ہے ماڈرن ازم کی خاص نشانی یہی ہے کہ وہ تاریخ کا انکار کرتا ہے اور اٹھارہویں صدی سے پہلے کے تمام زمانوں کو دور جہالت قرن مظلمہ [Dark Ages] قرار دیتا ہے ان کو انسان تسلیم نہیں کرتا۔ اور روشن خیالی کے دور سے انسانیت کا آغاز کرتا ہے ___ لداخ میں جدیدیت [Modrenism] نے کیا ستم ڈھائے جدید سیکولر تعلیم، جدید معیشت، جدید طرز زندگی نے کیا قیامت برپا کی اس روایتی لداخ کی کہانی Helena Noberg کے الفاظ میں پڑھیے:

This same pattern is being repeated in rural areas all over the South, where millions of young people believe contemporary Western culture to be far superior to their own. This is not surprising: looking as they do from the outside, all they can see is the material side of the modern world— the side in which Western culture excels. They cannot so readily see the social or psychological dimensions: the stress, the loneliness, the fear of growing old. Nor can they see environmental decay, inflation, or unemployment. This leads young Ladakhis to develop feelings of inferiority, to reject their own culture wholesale, and at the same time to eagerly embrace the global monoculture. They rush after the

sunglasses, walkmans, and blue jeans not because they find those jeans more attractive or comfortable but because they are symbols of modern life.

Modern symbols have also contributed to an increase in aggression in Ladakh. Young boys now see violence glamorized on the screen. From Western-style films, they can easily get the impression that if they want to be modern, they should smoke one cigarette after another, get a fast car, and race through the countryside shooting people left and right.

WESTERN-STYLE EDUCATION

No one can deny the value of real education the widening and enrichment of knowledge. But today in the Third World, education has become something quite different. It isolates children from their culture and from nature, training them instead to become narrow specialists in a Westernized urban environment. This process has been particularly striking in Ladakh, where modern schooling acts almost as a blindfold, preventing children from seeing the very context in which they live. They leave school unable to use their own resources, unable to function in their own world.

With the exception of religious training in the monasteries, Ladakh's traditional culture had no separate process called education.Instead education was the product of a person's intimate relationship with the community and the ecosystem. Children learned from grandparents, family, and friends and from the natural world.

Helping with the sowing, for instance, they would learn

that on one side of the village it was a little warmer, on the other side a little colder. From their own experience children would come to distinguish different strains of barley and the specific growing conditions each strain preferred. They learned how to recognize and use even the tiniest wild plant, and how to pick out a particular animal on a faraway mountain slope. They learned about connection, process, and change, about the intricate web of fluctuating relationships in the natural world around them.

For generation after generation, Ladakhis grew up learning how to provide themselves with clothing and shelter: how to make shoes out of yak skin and robes from the wool of sheep; how to build houses out of mud and stone. Education was location-specific and nurtured an intimate relationship with the living world. It gave children an intuitive awareness that allowed them, as they grew older, to use resources in an effective and sustainable way.

None of that knowledge is provided in the modern school. Children are trained to become specialists in a technological rather than an ecological society. School is a place to forget traditional skills and, worse, to look down on them.

Western education first came to Ladakhi villages in the 1970s. Today there are about two hundred schools. The basic curriculum is a poor imitation of that taught in other parts of India, which itself is an imitation of British education. There is almost nothing Ladakhi about it.

Once, while visiting a classroom in Leh, the capital, I

saw a drawing in a textbook of a child's bedroom that could have been in London or New York. It showed a pile of neatly folded handkerchiefs on a four-poster bed and gave instructions as to which drawer of the vanity unit to keep them in. Many other schoolbooks were equally absurd and inappropriate. For homework in one class, pupils were supposed to figure out the angle of incidence that the Leaning Tower of Pisa makes with the ground. Another time they were struggling with an English translation of The Iliad.

Most of the skills Ladakhi children learn in school will never be of real use to them. In essence, they receive an inferior version of an education appropriate for a New Yorker, a Parisian, or a Berliner. They learn from books written by people who have never set foot in Ladakh, who know nothing about growing barley at 12,000 feet or about making houses out of sun-dried bricks.

This situation is not unique to Ladakh. In every corner of the world today, the process called education is based on the same assumptions and the same Eurocentric model. The focus is on faraway facts and figures, on "universal" knowledge. The books propagate information that is believed to be appropriate for the entire planet. But since the only knowledge that can be universally applicable is far removed from specific ecosystems and cultures, what children learn is essentially synthetic, divorced from its living context. If they go on to higher education, they may learn about building houses, but these "houses" will be the universal boxes of concrete and steel. So too, if they study

علما کی تنخواہ

agriculture, they will learn about industrial farming: chemical fertilizers and pesticides; large machinery and hybrid seeds. The Western educational system is making us all poorer by teaching people around the world to use the same global resources, ignoring those that the environment naturally provides. In this way, Western-style education creates artificial scarcity and induces competition.

In Ladakh and elsewhere, modern education not only ignores local resources but, worse still, robs children of their self-esteem. Everything in school promotes the Western model and, as a direct consequence, makes children think of themselves and their traditions as inferior.

Western-style education pulls people away from agriculture and into the city, where they become dependent on the money economy. Traditionally there was no such thing as unemployment. But in the modern sector there is now intense competition for a very limited number of paying jobs, principally in the government. As a result, unemployment is already a serious problem.

Modern education has brought some obvious benefits, such as improvement in the literacy rate. It has also enabled the Ladakhis to be more informed about the forces at play in the world outside. In so doing, however, it has divided Ladakhis from each other and the land and put them on the lowest rung of the global economic ladder.

LOCAL ECONOMY VERSUS GLOBAL ECONOMY

When I first came to Ladakh the Western macroeconomy had not yet arrived, and the local economy was still rooted in its own soils. Producers and consumers were closely linked in a community-based economy. Two decades of development in Ladakh, however, have led to a number of fundamental changes, the most important of which is perhaps the new dependence on food and energy from thousands of miles away.

The path toward globalization depends upon continuous government investments. It requires the buildup of a large-scale industrial infrastructure that includes roads, mass communications facilities, energy installations, and schools for specialized education. Among other things, this heavily subsidized infrastructure allows goods produced on a large scale and transported long distances to be sold at artificially low prices — in many cases at lower prices than goods produced locally. In Ladakh, the Indian government is not only paying for roads, schools, and energy installations but is also bringing in subsidized food from India's bread-basket, the Punjab. Ladakh's local economy which has provided enough food for its people for two thousand years is now being invaded by produce from industrial farms located on the other side of the Himalayas. The food arriving in lorries by the ton is cheaper in the local bazaar than food grown a five-minute walk away. For many Ladakhis, it is no longer worthwhile to continue farming.

In Ladakh this same process affects not just food but a

whole range of goods, from clothes to household utensils
to building materials. Imports from distant parts of India can often be produced and distributed at lower prices than goods produced locally — again, because of a heavily subsidized industrial infrastructure. The end result of the long-distance transport of subsidized goods is that Ladakh's local economy is being steadily dismantled, and with it goes the local community that was once tied together by bonds of interdependence.

Conventional economists, of course, would dismiss these negative impacts, which cannot be quantified as easily as the monetary transactions that are the goal of economic development. They would also say that regions such as the Punjab enjoy a "comparative advantage" over Ladakh in food production, and it therefore makes economic sense for the Punjab to specialize in growing food, while Ladakh specializes in some other product, and that each trade with the other. But when distantly produced goods are heavily subsidized, often in hidden ways, one cannot really talk about comparative advantage or, for that matter, "free markets," "open competition in the setting of prices," or any of the other principles by which economists and planners rationalize the changes they advocate. In fact, one should instead talk about the unfair advantage that industrial producers enjoy, thanks to a heavily subsidized infrastructure geared toward large-scale, centralized production.

In the past, individual Ladakhis had real power, since

political and economic units were small, and each person was able to deal directly with the other members of the community. Today, "development" is hooking people into ever-larger political and economic units. In political terms, each Ladakhi has become one of a national economy of eight hundred million, and, as part of the global economy, one of about six billion.

In the traditional economy, everyone knew they had to depend directly on family, friends, and neighbors. But in the new economic system, political and economic interactions take a detour via an anonymous bureaucracy. The fabric of local interdependence is disintegrating as the distance between people increases. So too are traditional levels of tolerance and cooperation. This is particularly true in the villages near Leh, where disputes and acrimony within close-knit communities and even families have dramatically increased in the last few years. I have even seen heated arguments over the allocation of irrigation water, a procedure that had previously been managed smoothly within a cooperative framework.[The Future of progress, Reflection on the Environment and Development, Edward Goldsmith, Martin Khor, Helena-Hodge, Vandana Shiva & Others, Published by Green books Ltd in association with The International Society for Ecology & Culture]

جدید مغربی علمیت میں گناہ sin نہیں صرف guilt ہوتا ہے

جدید مغربی علوم عقلیہ میں آخرت، گناہ [Sin] کا کوئی تصور نہیں لہٰذا جدید نفسیات میں Guilt کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے کیونکہ Sin مذہبی تصور ہے اس کا تعلق خدا آخرت

جنت جہنم سے ہے لبرل ازم اور اس کے تمام جدید علوم۔نفسیات، معاشیات وغیرہ وغیرہ اور منشور حقوق انسانی ان اصطلاحات کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ علمیت، مذہب، وحی رسول سے آتی ہے اور سائنس کے معیارات پر پورا نہیں اترتی لہذا یہ علمیت نہیں جہالت ہے (نعوذ باللہ)

ہمارے نہایت محترم ومکرم علماء نے اپنی دینی مصروفیات کے باعث سپریم کورٹ کے اس خطرناک فیصلے کو ابھی تک غور سے نہیں پڑھا یہ فیصلہ منشور انسانی حقوق کے تناظر میں ایک جدید ریاست، جدید قانون سازی، آئین و دستور کی روشنی میں۔ فیڈرلسٹ پیپرز Fedralist Papers اور جان لاک کے Letter of Tolerance کے پس منظر میں۔ لبرل ازم سیکولر ازم اور جدید ریاست کے اختیار قانون سازی کے تہہ منظر میں۔ بالکل درست فیصلہ ہے پاکستان کی ریاست ایک جانب اسلامی بھی ہے دوسری جانب وہ انسانی حقوق کے منشور کو بھی تسلیم کرتی ہے لہٰذا جسٹس جیلانی پہلے لبرل جج ہیں جنھوں نے کسی منافقت دوغلے پن دونما چہرہ [Duail face] رکھنے کے بجائے منشور انسانی حقوق کی اصل روح کے مطابق ایک خالص لبرل فیصلہ کیا ہے۔انہوں نے اس فیصلے کے ذریعے حاکم خان کیس میں چیف جسٹس نسیم حسن شاہ کے فیصلے کی توثیق، تصدیق، تائید کے ساتھ توسیع بھی کی ہے۔

احتجاج سے پہلے منشور انسانی حقوق کا انکار ضروری ہے

حاکم خان کیس میں نسیم شاہ نے قرارداد مقاصد کی ۱۹۷۳ء کے پورے آئین پر بالادستی کا خاتمہ کر دیا تھا اور آئین کی تمام شقوں کو یکساں سطح کا قرار دے کر قرارداد مقاصد کے بالائے آئین Supra Constitutional حیثیت کو ختم کر دیا تھا چونکہ آئین کی اسلامی غیر اسلامی دینی، لبرل سیکولر تمام شقیں اس فیصلے کی روشنی میں مساوی ہو گئیں لہٰذا اسی فیصلے کی روشنی میں جسٹس جیلانی نے مزید آگے بڑھ کر اقدام کیا ارار تداد کی آزادی دی۔ جب تک یہ فیصلہ موجود ہے اس طرح کے قوانین بنتے رہیں گے ان پر احتجاج کرنے سے پہلے انسانی حقوق کے منشور کا انکار [Refutation/Denial] ضروری ہے یہ منشور اسلامی علمیت کو تسلیم نہیں کرتا اس منشور میں اللہ آخرت گناہ اور ثواب حلال وحرام کی کوئی اصطلاح سرے سے استعمال ہی نہیں کی گئی یہ منشور انسان کی خدائی کا اعلان کر کے انسان کو اپنی ہی پرستش [Human worship] کی دعوت دیتا ہے یہی انسانیت پرستی کا مذہب ہے۔نطشے نے اسی لئے کہا تھا کہ خدا مر گیا ہے نعوذ باللہ

کیونکہ زمین پر خدا کی جگہ انسان نے لے لی ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان بھی مر گیا ہے کیوں کہ وہ خدا کی جگہ نہیں لے سکا۔

اٹھارہویں صدی سے پہلے یہ خدا مرکز کائنات [God centric Universe] تھی اب یہ انسان مرکز کائنات [Humancentric] ہے انسانی حقوق کا منشور انسان کی خدائی کا اعلان نامہ ہے مگر اسے کچھ لوگ خطبہ حجۃ الوداع سے ثابت کرتے ہیں یہ جہالت کی انتہاء ہے خطبہ حجۃ الوداع میں انسان سے مراد عبد، صحابہ ہیں انسانی حقوق کے منشور میں انسان سے مراد وہ۔آزاد، فاعل مختار مطلق صرف اپنے نفس اور عقل کو جواب دہ وجود ہے جس کا خاکہ کانٹ نے اپنے مضمون What is enlightenment میں کھینچا ہے۔یہ مضمون انٹر نیٹ پر موجود ہے۔

روشن خیال انسان وہ ہے جو عالم اور وحی کا انکار کردے: کانٹ

کانٹ لکھتا ہے کہ روشن خیال انسان وہ ہے جو کسی پادری، عالم، کسی وحی الٰہی، کسی ڈاکٹر کو نہیں مانتا وہ ہدایت رہبری رہنمائی روشنی کے لیے کسی آسمانی خارجی نبوی ذریعے سے رجوع نہیں کرتا وہ روشنی کے لیے باہر دیکھنے کے بجائے اپنے اندرون سے رجوع کرتا ہے وہ اپنی عقلیت سے روشنی رہنمائی لیتا ہے کیونکہ روشنی کا منبع انسان سے باہر نہیں انسان کے اندر ہے انسانی حقوق ظاہر ہے صرف اس انسان کے لیے ہیں اسی لیے مسلمانوں کا قتل عام جائز ہے۔جدید ریاست اسی انسان کا جدید معبد ہے جس کے ایوانوں میں انسان اپنی ذات کی پرستش کر رہا ہے اور تمام معبودوں کا عملاً اور علماً انکار کر رہا ہے۔سپریم کورٹ کے چیف جسٹس تصدق جیلانی پہلے سچے پاکستانی لبرل ہیں جنھوں نے آئین، دستور، انسانی حقوق، دستوری جمہور یہ کی حقیقی روح کے مطابق لادینیت کے منہاج میں آئین کی بالکل صحیح تشریح پیش کر کے ہر شخص کو ارتداد کی آزادی عطا کی ہے۔ارتداد کی یہ آزادی جناب جاوید غامدی نے بھی ہر مسلمان کو دی ہے۔

اللہ نے ہر شخص کو کوئی بھی مذہب اختیار کرنے کی آزادی دی ہے: غامدی۔

اللہ تعالیٰ خود اپنی اسکیم آزادی کے خلاف انبیاء بھیجتے رہے: غامدی

وہ میزان میں لکھتے ہیں اللہ نے اس کائنات میں انسانوں کو حق دیا ہے کہ وہ اپنے آزادانہ فیصلے سے جو دین اور جو نقطۂ نظر چاہیں اختیار کریں لہٰذا کوئی شخص یا گروہ اگر دوسرے کو

دین چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے تو یہ درحقیقت اس دنیا کے لیے اللہ کی پوری اسکیم کے خلاف اعلان جنگ ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۹۳ قانون جہاد۔

پھر غامدی صاحب ہی کی یہ تحقیق بھی ہے کہ اللہ نے خود اپنی اسکیم کے خلاف اپنے رسولوں کو بھیج کر کفار و مشرکین کو بالجبر اپنا دین چھوڑنے پر مجبور کیا اور جنھوں نے انکار کیا ان کا قتل عام کر دیا یعنی اللہ نے خود ہی اپنے اسکیم کے خلاف اپنے پیغمبر کے ذریعے بغاوت کرادی (نعوذ باللہ) مقامات میں لکھتے ہیں

اللہ کی اسکیم آزادی کے تحت مشرکین کا قتال لازم ہے: غامدی

رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد ان کے منکرین اگر مشرک ہیں تو قتل کر دیے جائیں گے اور توحید کے ماننے والے ہوں تو محکوم بنالیے جائیں رسول اللہ نے مشرکین عرب کا قتال اسی قانون کے تحت کیا: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۳

فلسطین وعرب میں کسی مشرک کو زندہ نہ چھوڑا جائے: غامدی

یہ خدا کے منصوص فیصلے ہیں کہ تمام مشرکوں کو قتل کردو: غامدی

اس فیصلے (اللہ کا قانون اتمام حجت جو تورات اور قرآن میں ہے) کی ایک فرع یہ ہے کہ فلسطین اور اس کے گردنواح میں کنعان کا علاقہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے اور جزیرہ نمائے عرب کا علاقہ بنی اسمٰعیل کے لیے خاص کر دیا ہے تاکہ دنیا کی سب قومیں ان کے ساتھ اس کی معیت کا مشاہدہ کریں اور ہدایت پائیں۔چنانچہ بنی اسرائیل کو اسی بنا پر حکم دیا گیا کہ اپنی میراث کے اس علاقے کو اس کے باشندوں سے خالی کرالیں اس میں کسی کافر و مشرک کو زندہ نہ چھوڑیں اور نہ اس کی سرحدوں سے متصل کسی علاقے میں کافروں اور مشرکوں کی کوئی حکومت قائم رہنے دیں۔

قیامت تک جزیرہ عرب میں مشرک کافر نہیں رہ سکتا: غامدی

غامدی صاحب نے اصول بیان کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں نہ کافر مشرک رہ سکتا نہ یہاں عبادت گاہ بنا سکتا__ یہ اصول منشور انسانی حقوق کے خلاف ہے اور غامدی صاحب اس منشور کو بھی الحق تسلیم کرتے ہیں وہ برہان میں لکھتے ہیں کہ کسی کو کافر و مشرک نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ

کافر و مشرک صرف اس کو کہا جا سکتا ہے جس پر رسول اتمام حجت کرے لہٰذا ان کو صرف غیر مسلم کہہ سکتے ہیں [برہان ۲۰۱۳ء ص ۳۱۹] دلیل پر انہوں نے اور حسن الیاس صاحب نے نادر عقیل انصاری صاحب سے مباحثہ کیا کہ کسی کو کافر و مشرک کہنے کا حق قیامت تک کسی کو نہیں ہے مگر اس کے باوجود مقامات میں خود لکھتے ہیں کہ کافر و مشرک قیامت تک جزیرۃ العرب میں نہیں رہ سکتا [غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۹۵، ۱۹۶] اس اصول کی تقریر مقامات میں اس طرح کرتے ہیں۔

استثنا کے باب ۲۰ میں یہ حکم پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو اسی کے تحت تسلیم و انقیاد کے لیے مجبور کیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں مشرکین کے تمام معابد اسی کے تحت ختم کیے گئے۔ لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب کی ہدایت بھی اسی کے تحت ہے۔ چنانچہ سرزمین عرب میں اسی بنا پر نہ غیر اللہ کی عبادت کے لیے کوئی معبد تعمیر کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کافر و مشرک کو رہنے بسنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ یہ تمام احکام توحید کے اسی مرکز سے متعلق ہیں۔ ان کا دنیا کے کسی دوسرے علاقے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ خدا کے منصوص فیصلے ہیں اور الہامی صحائف میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۵، ۱۹۶

جو رسول پر ایمان نہ لائے اسے قتل کر دو یہ آزادی کی اسکیم ہے: غامدی

غامدی صاحب مقامات میں لکھتے ہیں:

اللہ نے اس دنیا میں انسانوں کو حق دیا ہے کہ وہ اپنے آزادانہ فیصلے سے جو دین اور جو نقطۂ نظر چاہے اختیار کریں لہٰذا کوئی شخص یا گروہ اگر دوسروں کو بالجبر ان کا دین چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے تو یہ درحقیقت اس دنیا کے لیے اللہ کی پوری اسکیم کے خلاف اعلان جنگ ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۹۳ پھر اس کے بعد غامدی صاحب خود ہی ثابت کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنے وعدے سے انحراف کرتے ہوئے خود ہی اپنی اسکیم آزادی کے خلاف رسولوں کے ذریعے کفار و مشرکین کے خلاف جنگ کرادی اللہ کا وعدہ نعوذ باللہ سچا نہیں ہوتا اس اصول کی تقریر وہ اس طرح کرتے ہیں۔

ارتداد کی سزا انھی لوگوں (مشرکین عرب و مخاطبین رسول) کے ساتھ خاص تھی جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست اتمام حجت کیا اور آپ پر ایمان لانے کے بعد وہ کفر کی

طرف پلٹ گئے۔ ان کے بارے میں خدا کا فیصلہ یہی تھا کہ اگر کفر پر قائم رہیں گے تو اس کی سزا بھی موت ہے اور ایمان لے آنے کے بعد دوبارہ کفر اختیار کریں گے تو اس کی سزا بھی موت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ من بدل دینہ فاقتلوہ (جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو) انھی سے متعلق ہے۔ ان کے لیے یہ سزا اس سنت الٰہی کے مطابق مقرر کی گئی تھی جو قرآن میں رسولوں کے براہ راست مخاطبین سے متعلق بیان ہوئی ہے: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۲۸۰۔ ایک جانب غامدی صاحب اللہ تعالیٰ اور قرآن سے کوئی بھی مذہب اختیار کرنے کی مطلق آزادی ثابت کر رہے ہیں دوسری جانب اسی قرآن اور اللہ سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ جو رسول کا مذہب قبول نہ کرے اسے قتل کر دو۔ اگر مذہب قبول کر کے چھوڑ دے، ترک کر دے تو اسے بھی قتل کر دو۔ یہ کون سی آزادی ہے۔ مغرب کے فلسفی غامدی صاحب کے اس احمقانہ فلسفہ آزادی کو پڑھیں گے تو حیران رہ جائیں گے کہ کیسے کیسے بے وقوف آزادی کے کیا کیا معنیٰ بتاتے ہیں۔ عہد حاضر کا عظیم فلسفی ژی ژیک اگر یہ دلیل پڑھ لے تو وہ گالیاں دے گا کیوں کہ وہ سنجیدہ مسائل پر لکھتے ہوئے بھی گالیوں کے ذریعے اپنا مقصد، مدعا بیان کرتا ہے۔ ایک عامی بھی اللہ تعالیٰ کی اس اسکیم آزادی کی غامدی تشریحات پر صرف ہنس سکتا ہے کہ یہ کس قسم کی آزادی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ غامدی صاحب مغرب کے فلسفہ آزادی سے بہت متاثر ہیں لہٰذا وہ اپنے تفردات کے ذریعے آیات قرآنی میں اس آزادی کی بنیادیں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ مسلم جدیدیت پسندی کا اصل کام یہی ہے کہ وہ مغرب کو معیار، اور پیمانہ بنا کر اس پر اسلامی علمیت، اسلامی تاریخ اور روایات کے ذخیرے کو پرکھتی ہے اور کسی جزیئے کو لے کر اس سے کلیات اخذ کر کے مغرب کے تمام تصورات خیر (All conceptions of Good) کو اسلام سے برآمد کر لیتی ہے۔ انھی حماقتوں کے باعث امریکہ کے فلسفی رچرڈ رارٹی نے کہا تھا کہ ہم مسلم جدیدیت پسندوں سے بھی مکالمہ نہیں کریں گے کیوں کہ ہم نے پوپ سے بھی مکالمہ نہیں کیا۔ رارٹی بھی مسلم جدیدیت پسندی کی حقیقت سے واقف ہے جو if اور but کے سہارے چلتی ہے۔ اسلام کا، اللہ کا واضح انکار نہیں کرتی۔

زمانہ رسالت کے بعد مسلمان مرتد ہو سکتے ہیں: غامدی

مقامات میں یہ اصول بیان کرتے ہیں کہ زمانہ رسالت کے بعد کے مسلمانوں کو ارتداد کی کامل آزادی ہے اس اصول کی تقریر وہ مقامات میں اس طرح کرتے ہیں دور صحابہ کے بعد ارتداد کی سزا کسی مسلمان کو نہیں دی جا سکتی ارتداد کی سزا صرف اور صرف رسول کے براہ راست مخاطبین سے خاص ہے زمانہ رسالت کے بعد پیدا ہونے والے مسلمانوں سے اس سزا کا کوئی تعلق نہیں: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۸۰ اس اصول کو انہوں نے میزان کے باب قانون جہاد میں بالکل مبرہن کر دیا ہے کہ انسان اپنی آزادانہ مرضی سے جو دین چاہے قبول کرے یہ اللہ کی اسکیم ہے۔ غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۹۳۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ غامدی صاحب ایک اسلامی نہیں سیکولر لبرل مفکر ہیں وہ لبرل ازم کے علمبردار ہیں ۔

متجددین اور غامدی صاحب کے افکار کو مبرہن Decipher کرنے کا طریقہ:

قدیم تہذیبوں کی زبانوں کو دریافت کرنا ان کے مفاہیم کو سمجھنا ایک مشکل ترین کام ہے ان عبارتوں اور تحریروں کو قابل فہم عبارت میں بدلنا کھولنا ان کی شرح کرنا ان کے اسرار رموز کو فاش کرنا ان کے بین السطور مفاہیم کے ابہام کو دور کرنے کا عمل Decipher کہلاتا ہے۔ متجدیدین اپنی بات اس انداز اور اس رمزی اسلوب میں بیان کرتے ہیں کہ اس کے اصل مدعا اور مفہوم تک ہر کہہ ومہہ نہیں پہنچ سکتا جناب جاوید غامدی ڈاکٹر منظور احمد اور عمار ناصر صاحب اس فن میں کمال کی مہارت رکھتے ہیں۔

یہ تینوں حضرات اپنے الحاد، تجدد کو اس خوبصورت، متاثر کن، بے مثال اور باکمال طریقے سے بیان کرتے ہیں کہ قاری اس کے اصل فہم کی تلاش کے بجائے اظہار بیان کے حسن میں کھو جاتا ہے یہ انکار بھی کرتے ہیں تو وہ اقرار معلوم دیتا ہے یہ کسی اصول، ماخذ دین کو مسترد کرتے ہیں تو استرداد محسوس ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان حضرات کی عبارتیں اتنی تہہ دار، ایسی لچھے دار اور اتنی بھول بھلیوں میں گم ہوتی ہیں کہ پیاز کی طرح ان کی تہہ اتارتے چلے جائیں تب جا کر معلوم ہوتا ہے کہ اصل مدعا کیا تھا۔ مثلاً غامدی صاحب حدیث کا انکار کرتے ہیں لیکن اس کا طریقہ یہ ہے کہ انکار اس طرح کریں گے ”دین صرف اور صرف قرآن وسنت کی دوصورتوں کا نام ہے اس کے سوا کوئی چیز دین نہیں حدیث کی تبلیغ وحفاظت کا رسول اللہ ﷺ نے کوئی اہتمام نہیں کیا بلکہ

لوگوں پر چھوڑ دیا کہ چاہیں تو انہیں آگے پہنچائیں یا نہ چاہیں تو آگے نہ پہنچائیں“[غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۳، ۱۵]۔

غامدی صاحب کے انکار حدیث کا گنجلک طریقہ

جب رسالت مآب ﷺ نے ہی حدیث کو کوئی اہمیت نہ دی تو اس کی ضرورت ظاہر ہے دین کے فہم اور دین پر عمل کے لئے ہرگز ضروری نہیں اس کی دلیل انہوں نے میزان کے دوسرے باب میں دی ہے وہ لکھتے ہیں کہ مراسم اور حدود وقیود کو قرآن الکتاب کہتا ہے اس الکتاب کو وہ شریعت بھی کہتا ہے الکتاب کو قانون کہتا ہے اس الکتاب کے مباحث میں قانون عبادت، معاشرت، سیاست، معیشت، دعوت، جہاد سب آجاتے ہیں [غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۶۸ تا ۶۹] یعنی شریعت قرآن تمام عبادات، اعمال، تہذیب وتمدن، معاشرت ومعیشت، دعوت و سیاست سب کے لئے کافی وشافی ہے لہٰذا حدیث کی کیا ضرورت ہے؟ مسئلہ صرف یہ رہ گیا کہ ___ شریعت قرآن کیا تشریح توضیح تفسیر ووضاحت تفہیم وتبیین کے لئے حدیث کی محتاج ہے یا نہیں؟ توا س کا جواب غامدی صاحب نے خود دیا ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لئے قرآن سے باہر کی کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی قرآن اپنے وجود پر خود دلیل بن جاتا ہے [غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۲۲] قرآن تک پہنچنے کا دروازہ اس کے الفاظ ہیں قرآن کے الفاظ کی دلالت اس کے مفہوم پر قطعی ہے وہ اپنے مفہوم پوری قطعیت کے ساتھ واضح کرتے ہیں [غامدی میزان ص ۲۵] قرآن کے الفاظ کی دلالت اپنے مفہوم پر قطعی ہے [غامدی میزان ص ۳۳] ظاہر ہے قرآن وضاحت کے لئے کسی حدیث اور پیغمبر کا بھی محتاج نہیں ___ انکار حدیث کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے اور انکار حدیث کے الزام سے بچنے کے لئے یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ حدیث دین کی تفہیم وتبیین کو جاننے کا اہم ترین ذریعہ ہے [میزان ۲۰۱۵ء ص ۶۱] سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی حفاظت کا انتظام کیوں نہ کیا اور حدیث کو آگے پہنچانے کی ہدایت کیوں نہیں کی اسی لئے کہ حدیث کے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے قرآن کافی ہے غامدی صاحب نے میزان کے ص ۱۵ پر یہی بات لکھی ہے یہی انکار حدیث کا طریقہ ہے۔

انکار حدیث کا دوسرا طریقہ ایک خوبصورت اصول ہے اس کی تقریر غامدی صاحب مقامات میں اس طرح کرتے ہیں روایتوں سے قرآن کو سمجھنے کے بجائے خود روایتوں کو قرآن کی

روشنی میں سمجھنا چاہیے [غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۳۲۳] سوال یہ ہے کہ اگر قرآن قطعی الدلالۃ ہے تو اسے روایتوں کی روشنی میں سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں جب روایتوں کی ضرورت نہیں تو ان کو خواہ مخواہ قرآن پر پرکھنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ قرآن کے کئی مقامات رسالت مآب ﷺ کی حدیث سنت کے بغیر سمجھ میں نہیں آتے لہٰذا غامدی صاحب بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے قرآن کی آیت کو حدیث سے ہی سمجھتے ہوئے لکھتے ہیں حمل ۱۲۰ دن کا ہوجائے تو اس کا اسقاط حرام ہے اور قتل ہے [غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۳۵۳] قرآن کی سورہ مومنون کی آیت ۱۲ تا ۱۴ اور سورہ السجدہ کی آیات ۷ تا ۹ میں تخلیق کے مراحل کا تو ذکر ہے مگر قرآن میں ۱۲۰ دن کا کہیں ذکر نہیں ہے پھر یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ عمل حرام ہے اس کا جواب دیتے ہیں حدیث میں آتا ہے تخلیق کے یہ تمام مراحل ۱۲۰ دن میں مکمل ہوتے ہیں وہ شخصیت وجود میں آجاتی ہے جسے انسان کہتے ہیں [مسلم حدیث ۲۶۴۳] حدیث کی یہی تصریحات ہیں جن کی بنیاد پر اسقاط کے لئے ۱۲۰ دن کی مدت مقرر کی گئی ہے [غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۵۵]۔ غامدی صاحب کی بدحواسی دیکھیے کہ ابھی لکھ رہے ہیں کہ حمل ۱۲۰ دن کا ہوجائے تو اسقاط حرام ہے اور پھر اگلے صفحے پر لکھ رہے ہیں حدیث میں اسقاط کی مدت ۱۲۰ دن مقرر کی گئی ہے۔ دونوں اصول Oxymoron ہیں۔۔ اصول یہ تھا کہ حدیث کو قرآن کی روشنی میں پرکھا جائے حدیث کہہ رہی ہے ۱۲۰ دن میں شخصیت مکمل ہوجاتی ہے انسان بن جاتا ہے لہٰذا اب اس کا اسقاط قتل ہے اور حرام ہے مگر قرآن اس بارے میں بالکل خاموش ہے سوال یہ ہے کہ اس حدیث کو قرآن پر کیسے پرکھا جائے کیوں کہ قرآن سے ۱۲۰ دن ثابت نہیں ہوتے لہٰذا یہ حدیث رد ہوگئی_ انکار حدیث کا یہ طریقہ کتنا خوبصورت ہے۔ ہم انشاء اللہ ایک مضمون میں غامدی صاحب اور عمار ناصر صاحب کی تحریروں کو Decipher کرنے کا طریقہ تفصیل سے بتائیں گے حسن الیاس صاحب اس فن میں کورے ہیں لہٰذا وہ غامدی صاحب کے دفاع میں جو کچھ لکھتے ہیں اس سے غامدی صاحب کا دفاع نہیں بلکہ انہدام ہوتا ہے حسن الیاس صاحب نے غامدی صاحب کو جس طرح سمجھا ہے اپنی تحریروں میں صاف صاف لگی لپٹی رکھے بغیر اس کا اظہار کرگزرتے ہیں جس سے غامدی صاحب کی پرتیں کھل جاتی ہیں انہیں احتیاط کرنی چاہیے اور غامدی صاحب کو چھپانے اور بچانے کا فن ازسرنو سیکھنا چاہیے وہ یہ فن عمار صاحب سے سیکھ لیں۔

اس فن میں ان کے کمال کے باعث ان کے والد محترم جناب زاہد الراشدی صاحب ابھی تک جاوید غامدی صاحب کی حقیقت اصلیت سے واقف نہیں ہوسکے اور ابھی تک ان کا عالمانہ دفاع کرنے میں مصروف ہیں۔ الحاد اور فساد کی اسلامی تعبیریں مدرسہ نصرۃ العلوم سے مہیا کی جارہی ہیں یہ المیہ ہے۔

ہر انسان کے لیے قرآن کے الفاظ قطعی الدلالۃ ہیں: غامدی

رسول اللہ کے لیے قرآن کے الفاظ قطعی الدلالۃ نہیں تھے: غامدی

ایک جانب غامدی صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن قطعی الدلالۃ ہے کسی کا محتاج نہیں مقامات میں ان کا مضمون قطعی الدلالۃ اس سے متصل دیگر مضامین اور میزان کا پہلا باب پڑھ لیجیے __ لیکن خود میزان میں لکھتے ہیں کہ سورہ قیامہ میں اللہ نے کہا تم (رسالت مآب ﷺ) اس قرآن کے لئے اپنی زبان کو تیز نہ چلاؤ ہمارے ہی ذمے ہے اس کی وضاحت ___ غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۵۵ رسول ﷺ کو قرآن کی وضاحت کی ضرورت ہے غامدی صاحب کو ضرورت نہیں رسول ﷺ کی عربی، ایمان، تقویٰ، فہم __ اس میں کیا کسی کو شک ہے لیکن قرآن کے بہت سے مقامات اس قطعی الدلالۃ قرآن کے رسول اللہ پر واضح نہ ہوئے ان مشکل مقامات کی وضاحت اللہ نے غامدی صاحب کی تحقیق کے مطابق خود ان کے لئے کی ہے۔

غامدی صاحب میزان میں خود لکھتے ہیں کہ قرآن کی آیات کا کلی فہم اس کے الفاظ سے براہ راست نہیں کیا جاسکتا اس کے لیے شرح و وضاحت کی ضرورت پڑتی ہے یہ وضاحت اللہ کے رسول کے لیے بھی ضروری ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لیے ان مقامات کی شرح و وضاحت کی اس اصول کی تقریر وہ میزان میں اس طرح کرتے ہیں قرآن کے کسی حکم سے متعلق اگر شرح و وضاحت کی ضرورت ہوگی تو وہ اس موقع پر [جب جبرئیل آپ ؐ سے کلام اللہ سنیں گے] کردی جائے گی لہٰذا یہ کتاب اللہ کی طرف سے جمع و ترتیب اور تفہیم و تبیین کے بعد ہر لحاظ سے مکمل ہوجائے گی [غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۲۸] اللہ کے رسول ﷺ کو قرآن کے مقامات کی تفہیم و تبیین کی ضرورت پڑی لیکن غامدی صاحب لکھتے ہیں قرآن کے الفاظ کی دلالت قطعی ہے اس کا ابلاغ قطعیت سے ہوچکا لہٰذا روز قیامت لوگ اس ابلاغ کی بنیاد پر جواب دہ ہوں گے [غامدی

مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۲۰] قرآن قطعی الدلالۃ اس کے الفاظ قطعیت سے ٹھیک اس کے مدعا تک پہنچا دیتے ہیں [غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۳۱، ۱۳۳] قرآن متحمل الوجوہ نہیں اس کی تفسیر ایک ہی ہے [غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۳۴، ۱۳۵] قرآن قطعی ہے اس کی آیتوں کے معنی میں سرے سے احتمال نہیں اس کے الفاظ ہی ان کی تفسیر ہیں [غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۴۰] یہ عجیب قرآن ہے (نعوذ باللہ) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے الفاظ کی قطعیت کے باوجود سمجھ نہیں آیا حتیٰ کہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ ہم خود ہی اس کی شرح وضاحت کر دیں گے لیکن آپ اپنی زبان کو تیز نہ چلائیں یہ ہمارا ذمہ ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۵۵۔ مگر غامدی صاحب اور ان کے پورے فرقے کو قرآن بغیر کسی تشریح و توضیح کے خود سمجھ میں آ رہا ہے تو نعوذ باللہ کون افضل قرار پاتا ہے __ اس قسم کے دعوے بالواسطہ توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارتکاب ہیں جن سے پناہ مانگنی چاہیے۔

خاندانی امور میں اسلامی عدالت خود دخل اندازی نہیں کر سکتی

طلاق اور نشوز: شوہر کے اعمال کی نگرانی کا کوئی ادارہ نہیں ہے

اسی اسلامی ریاست کے بعض علاقوں میں مغرب کی امداد سے Marriage Free Zone بنائے جا رہے ہیں مگر Rape Free Zone نہیں بنائے جا رہے۔ یہ ریاست تحفظ حقوق نسواں بل بنا کر اسلام کے عائلی نظام زندگی کو تہس نہس کر رہی ہے یہ بات واضح ہے کہ خاندانی تنازعات میں اسلام نے عدالت کو کبھی شامل ہی نہیں کیا بالکل آخری مرحلے میں تنسیخ نکاح یا کوئی مالی تنازعہ کی صورت میں قاضی عدالت آخری چارہ کار کے طور پر محدود طریقے سے صرف لوگوں کی درخواست پر کارروائی کا اختیار رکھتی ہے۔ عدالت یا حکومت یا امارت خاندانی امور میں براہ راست مداخلت نہیں کرتی۔ اسے از خود کارروائی suomoto کا کوئی حق نہیں ہے کیوں کہ اسلام اسے پسند ہی نہیں کرتا۔ یعنی اسلامی تہذیب علمیت میں خاندانی امور کے اندر عدالت سے سب سے آخر میں رجوع کیا جا سکتا ہے اقتدار و اختیار اور خلافت، حکومت و امارت کو اس نجی امارت خاندانی سلطنت سے بالکل باہر رکھا گیا ہے۔

اسلام میں حکومت کا عائلی امور سے کوئی تعلق نہیں

آج کی سیکولر دنیا میں بھی کوئی عدالت کسی عورت کو شوہر سے طلاق کے متوقع خطرے

کے پیش نظر حکم امتناع Stay Order جاری نہیں کر سکتی کیوں کہ نکاح و طلاق دلوں کا معاملہ ہے یہ قانون کے حدود سے ماوراء ہے اگر کوئی شخص کسی عورت کو رکھنا ہی نہیں چاہتا تو کوئی قانون کوئی عدالت ان کے دلوں کے فاصلے ختم نہیں کر سکتی لہٰذا فاصلوں کا فیصلہ ایک خالص نجی معاملہ ہے۔

طلاق کے لیے طریقہ قرآن نے بتایا ہے اس میں ریاست حکومت عدالت قاضی کا کوئی ذکر نہیں نشوز پر عورت کے خلاف تادیبی کاروائی کا اختیار بغیر کسی عدالت، شہادت اور حکمین کے بغیر صرف اور صرف مرد کا صوابدیدی اختیار ہے۔ اس کا جو طریقہ کار۔ اس طریقہ کار میں جو تدریج قرآن نے بتائی ہے اس طریقہ کار کی تحقیق، تفتیش، نگرانی اور احتساب کے لیے قرآن نے کسی کو مجاز نہیں ٹھہرایا یہ قاضی اور عدالت کا دائرہ اختیار ہی نہیں ہے یہ روحانی ایمانی اخلاقی اقداری معاملہ ہے یہ خوف خدا کا دائرہ ہے اسے قانون کی ترازو سے تولنا ممکن ہی نہیں ہے سونے اور جواہرات کی ترازو سے لوہا اور چٹانیں تولی نہیں جا سکتیں اس کا دائرہ کار ہی بالکل الگ ہے۔ قانون عدالت قاضی کا دائرہ بالکل مختلف ہے حیرت ہے کہ ہم ان مباحث سے ناواقف ہیں۔ تحفظ حقوق نسواں بل کے ذریعے۔۔۔ نجی خانگی امور [Private affairs] کو ریاست، حکومت، اقتدار، عدالت کے دائرے میں لانے کا مقصد ریاست کے تسلط کا دائرہ فرد کی ذاتی زندگی تک وسیع کرنا ہے۔ جدید ریاست آزادی کے نام پر زندگی کے ہر دائرے کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے یعنی [colonized] کر دیتی ہے حتی کہ وہ نجی زندگی کو بھی معاف نہیں کرتی۔ حیرت ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل تحفظ نسواں بل کو رد کرنے، ریاست کو نجی ادارے میں داخل ہونے سے روکنے اسلام کے مہیا کردہ خاندانی نظام کو بچانے اور عائلی مسائل کو عدالت کے بجائے روایتی، تاریخی، تہذیبی، خاندانی اجتماعیتوں، برادری، محلے، قبیلے، خاندان کی سطح پر حل کرنے کے راستے بتانے اور عائلی معاملات و نجی تنازعات کو علماء، مفتی، پنچایتوں کے سپرد کرنے کے بجائے اس خالص سیکولر بل کو اسلام کے مطابق بنانے کی کوشش کر رہی ہے یہ بل تو کبھی اسلام کے مطابق ہو ہی نہیں سکتا جس طرح شراب جواء زنا کبھی اسلامی نہیں ہو سکتے۔

ریاست اقدار روایات اخلاقیات کی نہیں فرد کی آزادی کا تحفظ کرتی ہے

عدالت اسلامی تہذیبی اخلاقی اقدار کے قتل کو روک نہیں سکتی

جدید ریاست کے سامنے فرد ایک مجبور محض انسان ہوتا ہے جو صرف اور صرف

ریاست کے رحم وکرم پر ہوتا ہے۔ کیوں کہ ریاست اس کی تمام روایتی،قبائلی،نسلی،لسانی،مذہبی، تاریخی، سماجی، علاقائی، گروہی، خاندانی اجتماعیتوں [All Traditional Collectivities] کو تحلیل کردیتی ہے انسانی حقوق کے منشور میں صرف اور صرف فرد کی آزادی کا تحفظ کیا گیا ہے اجتماعیتوں کی آزادی کا تحفظ نہیں ہے لہٰذا جب بھی کوئی فرد اپنی کسی خاندانی، روایتی ،تاریخی ،مذہبی ،نسلی ،اجتماعیت کے خلاف بغاوت کرتا ہے تو ریاست اس اجتماعیت کی طاقت توڑنے کے لیے ہمیشہ اس اجتماعیت کے خلاف کھڑے ہونے ،بغاوت کرنے والے یا اس اجتماعیت سے نکلنے والے تنہا فرد کی قانونی اخلاقی مالی حمایت کرتی ہے

عدالت اور آئین مذہبی اقدار روایات کے قتل کو نہیں روکتے

عدالت کے لیے عورت کا قتل مسئلہ ہے شریعت اور اقدار کا قتل مسئلہ نہیں

لڑکی جب گھر سے بھاگ کر یا عشق وعاشقی کرکے ماں باپ کے زیورات پیسے چوری کرکے ان کی عزت کو پامال کرکے ان کی اقدار، روایات، اخلاقیات کو ذلیل ورسوا کرکے اجنبی لڑکے کے ساتھ بھاگتی ہے تو ریاست اور اس کی عدالت اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اس آوارہ لڑکی کی حفاظت کے لیے آجاتے ہیں۔ پوری دنیا میں شور مچ جاتا ہے NGO's چراغ جلاتی کبوتر اڑاتی اور پھول برساتی ہیں۔عدالت سوموٹو ایکشن لیتی ہے لیکن کبھی پاکستان کی سپریم کورٹ نے شریعت کی خلاف ورزی، اسلامی اقدار روایات کی سرعام پامالی، کا کوئی نوٹس نہیں لیا کیوں کہ وہ نوٹس نہیں لے سکتی اسے یہ اختیار ہی نہیں ہے۔ وہ شریعت کے نفاذ کا ادارہ نہیں ہے وہ آزادی کے نفاذ اور نفوذ کا ادارہ ہے اس کا مسئلہ عورت کا قتل ہے اقدار روایات کا قتل مسئلہ نہیں کیوں کہ یہ آزادی کا دائرہ نہیں ہے۔

ریاست اور عدالت مذہبی اقدار وروایات کا تحفظ کیوں نہیں کرتی ؟

جدید ریاست اس کی عدالت اس کے ادارے اسلامی تہذیبی ،اخلاقی ، روایتی، خاندانی،اقدار کے قتل کو روکنے کے لیے کبھی آگے نہیں آتے عدالت عظمیٰ میں کوئی شخص جاکر درخواست دائر کردے کہ لڑکی نے گھر سے بھاگ کر ہماری اور اس امت کی تمام اسلامی ، مذہبی ،روایتی، سماجی ،اخلاقی ،دینی ،تہذیبی ،تاریخی، نسلی اقدار [Value] روایات

[Traditions] کو قتل کردیا ہے میری عزت خراب کی ہے میرے خاندان قبیلے کو بدنام کیا ہے لہٰذا ان اقدار کو تحفظ دیا جائے ان کو قتل کرنے والی عورت کو سزا دی جائے تو عدالت آپ کی درخواست مسترد کرکے پھینک دے گی فیصلے میں لکھے گی آئین میں اس کی کوئی گنجائش نہیں آئین صرف آزادی کے عقیدے نظریے اصول ایمان کا تحفظ کرتا ہے لڑکی کا حق ہے کہ جس کے ساتھ چاہے بھاگ جائے تم کون ہو اس کی آزادی چھیننے والے عدالت صرف اور صرف لڑکی کے بھاگنے کے عمل کو یعنی اس کی آزادی کو تحفظ دے گی کیوں کہ منشور حقوق انسانی میں صرف فرد کی آزادی کو تحفظ دیا گیا ہے اجتماعیتوں مذاہب، ادیان کی اخلاقی، مذہبی، اقدار کو کوئی تحفظ نہیں دیا گیا یہ بات ابھی تک عالم اسلام میں نہیں سمجھی گئی کیوں کہ ہم خطابت میں مصروف ہیں۔

زیادہ سے زیادہ عدالت اپنے فیصلے میں یہ لکھے گی کہ آوارہ لڑکی اور بھاگی ہوئی بیٹی کے مجبور غم زدہ دکھی والد ہم تمہارا دکھ سمجھ سکتے ہیں مگر ہم تو خود مجبور ہیں ہم تمہاری دادرسی نہیں کرسکتے کیوں کہ منشور انسانی حقوق میں ایسی کوئی شق نہیں اور یہ ہے بھی اسلامی آئین ۱۹۷۳ء کا جو آپ نے ہی منظور کیا ہے پوری امت نے اسے اسلامی کہا ہے اور ابھی تک اس آئین کو اسلامی کہنے والوں نے رجوع بھی نہیں کیا ہم آپ کے لیے کچھ نہیں کرسکتے ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں ہم مجبور ہیں معاف کردیں آئین کا اسلام [Constitutional Islam] یہی ہے۔

جدید ریاست آئین دستور اور بنیادی حقوق انسانی۔صرف اور صرف فرد کی آزادی کو الحق قدر العلم تسلیم کرتے ہیں لہٰذا اس آزادی کا تحفظ کرتے ہیں اور اس آزادی کی راہ میں حائل ہر قدر، مذہب، رواج، روایت، رسم کو ریاست کی قوت عدالت کے حکم قانون نافذ کرنے والے اداروں کی طاقت سے ختم کردیتے ہیں حیرت ہے کہ یہ بات ابھی تک بہت سے لوگوں کے لیے قابل فہم نہیں ہے یہ المیہ ہے۔

مختصر الفاظ میں جدید ریاست اور اس ریاست کی عدالت مشترکہ طور پر تمام مذہبی اصول روایات اقدار کا خاتمہ کرتے ہیں اور ہم انہی سے اسلامی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کررہے ہیں اسی لیے ہم بار بار کہتے ہیں کہ جدید دنیا میں جدید ریاست جیسے جیسے اسلامائز ہوتی جاتی ہے دین ویسے ویسے سیکولرائز ہوتا جاتا ہے۔آخر میں صرف آزادی کا عقیدہ رہ جاتا ہے جس کی تصدیق وتائید پوپ کی طرح تمام مذہبی لوگ بھی کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں ورنہ مذہب کے خلاف لوگ

بغاوت کردیں گے ظاہر ہے جب لوگ مذہبی نہیں رہیں گے تو وہ مذہب کے جبر کو کیوں برداشت کریں گے آزادی کے مذہب کو قبول کرنے والا صرف آزادی کے جبر کو قبول کرتا اور مذہب کے جبر کو قبول نہیں کرتا پاکستان اسی دوراہے سے گزر رہا ہے تبدیلی تغیر Transformation کا عمل جاری ہے۔لیکن ہم سو رہے ہیں۔

جدید ریاست آزادی کے نام پر فرد کی پوری زندگی کو کالونائیز کردیتی ہے

مغرب میں خاندانی نظام کو گھروں میں گھس کر کیسے کالونائز کیا گیا

جدید ریاست آزادی کے نام پر انسان کی زندگی کے ہر دائرے کو کالونائز کرتی ہے۔جدید ریاست آزادی کے تحفظ کے نام پر ہی آپ کی آزادی میں مداخلت کرتی اور آپ کی آزادی چھینتی ہے اور یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ سب کچھ آپ کی آزادی کے تحفظ کے لیے ہی ہو رہا ہے لہٰذا فرد ریاست کے جبر پر رضامند ہو جاتا ہے اور خود کو اس جبر کے سپرد کردیتا ہے۔جب آپ خود کو کسی کے سپرد کردیتے ہیں اور اس کی رضا کے سامنے اپنی رضا کو محکوم بنادیتے ہیں تو حاکم کو جبر کا اختیار قانوناً حاصل ہو جاتا ہے۔

امریکہ میں روزانہ ہر امریکی کا فون ٹیپ ہوتا ہے یہ ہر امریکی کی آزادی کے تحفظ کے لیے ہے ریاست عاشق و معشوق کی گفتگو تک سن سکتی ہے ایسا جبر تاریخ میں کسی بادشاہ، کسی مذہب نے بھی نہیں کیا۔امریکہ کا ادارہ NSA روزانہ دنیا بھر میں پانچ کروڑ فون ٹیپ کرتا ہے یہ سب کچھ آزادی کے تحفظ کے لیے ہو رہا ہے یہ آزادی کا جبر ہے جو سب کو قبول ہے انفارمیشن ٹکنالوجی اور موبائل وانٹرنیٹ کے ذریعے فرد کے بارے میں ہر قسم کی معلومات جدید ریاست کے پاس ہیں آپ نے کسی ہوٹل میں کیا کھایا کسی بینک میں کتنے پیسے رکھے کتنے نکالے کسے فون کیے کیا بات کی کونسی کتاب خریدی کس ڈاکٹر سے علاج کرایا کیا بیماری ہے کمپیوٹرائزڈ بلوں کے ذریعے آپ کی زندگی کے ایک ایک مرحلے، لمحے کی معلومات جدید ریاست اور عالمی استعمار امریکہ کے پاس ہے آپ اس وقت کس علاقے میں ہیں موبائل فون یہ تک بتادیتا ہے اسے آزادی کہتے ہیں یہ صورتحال The end of privacy ہے ایسا آزادی کے جدید دور میں ہی ہو سکتا ہے کہ آزادی کے نام پر ہی آزادی چھین لی جائے بادشاہت آمریت میں بھی ایسا ممکن نہیں۔

فرانس میں اس جدید ریاست نے سب سے پہلے گھروں پر زچگی کے لیے نرسنگ سروس کا آغاز کر کے ریاستی عمل دخل کو گھر کے اندر تک پہنچادیا اس سے پہلے زچگی کا پورا نظام لوگوں نے اجتماعی طور پر قائم کر رکھا تھا اس میں ریاست کا کوئی عمل دخل نہیں تھا عوام کی بہبود کے نام پر ریاست نے زچہ و بچہ کی صحت کے بہانے نجی زندگی کے صحن میں قدم رکھا اب ریاستی تسلط کا حال یہ ہے کہ مغرب میں آپ اپنی مرضی سے بچے کا نام تک نہیں رکھ سکتے امریکہ میں ایک شخص نے اپنے بچے کا نام ہٹلر رکھا تو رجسٹریشن اتھارٹی نے نام کا اندراج کرنے سے انکار کردیا بچہ ماں باپ سے چھین کر ریاستی نرسنگ ہوم میں داخل کردیا گیا کہ ایسے شقی ماں باپ جو بچے کا نام تک درست نہیں رکھ سکتے وہ بچے کو پالنے کے اہل ہی نہیں ہیں۔مغرب نے آزادی کے نام پر خاندان، روایات، اقدار، بیوی اور بچوں کو کس طرح کالونائز Colonization of private life کیا گیا اس کی تصویر ایک اہم کتاب The Policing of faimlies میں پڑھی جاسکتی ہے اس کتاب کا دیباچہ اس صدی کے سب سے بڑے فلسفی گلز دیلوز نے لکھا ہے Colonization of private life کی کہانی اس کتاب کے ورق ورق پر بکھری ہوئی ہے۔پاکستان میں بھی اب یہ کام شروع ہو گیا ہے۔پنجاب میں تحفظ حقوق نسواں بل اس مغربی قانونی بارش کا پہلا قطرہ ہے جلد موسلا دھار بارش شروع ہونے والی ہے۔

۱۹۹۵ء میں چلاس میں ایک عورت بارہ بچے جنم دیتی تھی: رضا علی عابدی

تین لاکھ آبادی کے چلاس میں نہ ہسپتال نہ میٹرنٹی ہوم تھا

رضا علی عابدی نے ۱۹۹۵ء کے سفرنامے میں جو پاکستان کے شمالی علاقہ جات سے متعلق ہے یہ BBC سے نشر ہوا اور سنگ میل پبلی کیشنز نے شیر دریا کے نام سے اسے کتابی صورت میں شائع کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹۹۵ء میں وہ چلاس گئے جس کی آبادی اس وقت تین لاکھ تھی نہ کوئی ڈاکٹر نہ کلینک صرف ڈپٹی کمشنر چلاس کی بیوی ڈاکٹر تھیں جو گھر پر معاوضہ لے کر علاج معالجہ کا ذاتی طور پر کام کرتی تھیں رضا صاحب نے اس سے عورتوں کی عمومی صحت اور تولیدی صحت کے بارے میں انٹرویو کیا تو اس نے بتایا کہ ہر عورت اوسطاً دس بارہ بچے پیدا کرتی ہے ان کی صحت قابل رشک ہے کوئی عورت موٹی نہیں ہے کیوں کہ وہ صبح سے رات تک کاموں میں مصروف رہتی ہیں۔زچگی میں اموات کی شرح بھی کچھ نہیں ہے۔

چلاس میں ریاست ابھی تک گھروں میں نہیں گھس سکی لیکن فرانس میں اور مغرب میں ریاست فرد کی زندگی میں مکمل طو پر اٹھارہویں صدی میں داخل ہوگئی اور نجی زندگی کالونائز کرلی گئی وہ کام اب پاکستان اور اسلامی مما لک میں شروع ہوا ہے علماء، دینی مدارس اور مساجد نے عالم اسلام کو ریاستی کالونائزیشن کے عمل سے ابھی تک محفوظ رکھا__ وہ دن اب رخصت ہورہے ہیں۔ دنیا میں اربوں کھربوں درندے پرندے چرندے ہاتھی اونٹ کے بچے بھی روزانہ بغیر میٹرنٹی ہوم کے پیدا ہوتے ہیں اور زچہ و بچہ آخری اطلاعات تک جنگلوں بیابانوں میں پیرا میڈیکل اسٹاف میٹرنٹی ہوم، ڈاکٹر کے بغیر بالکل صحت مند ہیں__ کیوں کہ وہ فطری زندگی گزارتے ہیں لیکن عہد حاضر کے جدید شہروں کی جدید عورت ایک بچہ پیدا کرنے کے قابل بھی نہیں رہی۔ مغرب نے ہسپتال کلینک میٹرنٹی ہوم کی صنعت پیدا کی تاریخ انسانی کے سب سے زیادہ بیمار بھی اسی جدیدیت نے پیدا کیے جدید طرز زندگی نے تاریخ انسانی کی مہلک ترین بیماریاں پیدا کیں۔ جس مغرب نے میٹرنٹی ہوم بنایا وہاں آزادی کے عقیدے کے باعث عورت بچہ پیدا کرنا نہیں چاہتی مغرب میں شرح افزائش منفی ہے جن تہذیبوں میں ابھی تک میٹرنٹی ہوم نہیں ہے۔ جہاں کی عورت جاہل ہے دیہاتی ہے الحمدللہ ۔ وہاں عورت بارہ بچے پیدا کرکے بھی صحت مند ہے تاریخ عالم کے دو آخری پیغمبر حضرت عیسیٰؑ اور رسالت مآبؐ کی پیدائش گھر پر ہوئی۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ عورت ایک بچہ بھی پیدا کیوں نہیں کرنا چاہتی اس کی وجہ اس کا مستقبل نوکری آمدنی معیار زندگی اور ان سب کا خلاصہ آزادی کا عقیدہ ہے جس عورت کے بارہ بچے ہوں وہ آزاد ہے یا جس عورت کا کوئی بچہ نہ ہو وہ آزاد ہے۔ مگر اس آزاد عورت کو بڑھاپے میں جا کر بچے کی ضرورت ہوتی ہے تب اسے معلوم ہوتا ہے کہ اچھا ایک دن مجھے بوڑھا بھی ہونا تھا جان رالس نے اپنی آخری کتاب The Law of the people میں یہی لکھا ہے عورت کو مرد جیسا بنا دو وہ بچے پیدا نہیں کرے گی حیرت ہے کہ ہم (جدید عورت یعنی) مردوں سے بچہ پیدا نہ ہونے کا شکوہ کررہے ہیں۔ جو عورت اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے نوکری کرے گی بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں رہے گی اور مجبوراً بچہ پیدا کرے گی تو بس ایک وہ بھی بڑھاپے کے لیے اللہ کے لیے نہیں۔

نشوز کی سزا کا عدالتی کارروائی ریاست سے کوئی تعلق نہیں

طلاق کا قانون بہت آسان اور طلاقوں کی شرح سب سے کم

نشوز پر شوہر کی تادیب ظاہر ہے قانون کی نظر میں سزا [Punishment] ہی ہے جب کہ سزا کا معاملہ عموماً عدالت کا دائرہ ہے لیکن شریعت نے عدالت اسلامی، قاضی، حکومت، حکمران کو اس دائرے سے الگ رکھ کر اس معاملے کو صرف اور صرف خوف خدا، اقدار، اخلاقیات اور روایات کے تابع کردیا ہے اس معاملے میں اگر کوئی ظلم زیادتی ہوگی تو اس کے ازالے مداوے کے لیے ہر جگہ خوف آخرت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ خوف خدا ہی اسلامی نظم زندگی میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے خطبہ نکاح میں بھی جو آیات پڑھی جاتی ہیں وہ خوف خدا کا ایسا احساس پیدا کرتی ہیں جو انسان کے وجود کا ہی نہیں اس کی ساری زندگی کا احاطہ کرلیتی ہیں اسی لیے تمام تر کمزوری پستی انحطاط اور زوال کے باوجود آج بھی دنیا میں سب سے کم طلاقیں مسلمان معاشروں میں ہوتی ہیں حالانکہ طلاق کا سب سے آسان ترین، سادہ ترین سادہ ترین قانون اسلام میں ہے لیکن یہ قانون مجرد قانون [Abstract Law] نہیں ہے یہ اپنی کلیت میں [Totality] اپنی روحانیت، نورانیت، اقدار، روایات، تہذیب، اخلاقیات، اپنے تصور نفس، تصور کائنات اور تصور آخرت کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ لہٰذا اتنے آسان قانون کے باوجود طلاقیں بہت کم ہوتی ہیں یہ بات مغرب کے مفکرین سمجھ ہی نہیں سکتے کیوں کہ وہ صرف مادی، معاشی، قانونی، عقلی، منطقی ذہن رکھتے ہیں روحانیت کو وہ تسلیم نہیں کرتے لہٰذا طلاق کے قانون کو کلیت Totality میں دیکھنے سے قاصر ہیں اس کی مثال نمک سے سمجھیے سوڈیم کلورائیڈ NACL میں کلورین زہر ہے لیکن وہ کلورین جب سوڈیم کے ساتھ ملتا ہے تو اس کی خاصیت بدل جاتی ہے یہ نمک بن جاتا ہے لیکن اگر صرف کلورین استعمال کی جائے تو موت واقع ہوسکتی ہے بالکل اسی طرح اسلامی علمیت تہذیب تاریخ معاشرت کی کلیت میں طلاق کا قانون جب اسلامی طرز زندگی اور روحانیت کے ساتھ ظہور کررہا ہے تو اس قانون کی کیفیت ماہیت حقیقت کچھ اور ہوجاتی ہے۔

مغرب اور امریکہ میں طلاق کے سب سے زیادہ سخت ترین قوانین ہیں لیکن مغربی معاشروں میں طلاق کی شرح دنیا میں سب سے زیادہ اور سب سے سخت ہے کیونکہ مغرب میں نکاح کا ادارہ مذہب اخلاقیات روحانیت سے جبراً الگ کردیا گیا ہے لہٰذا نکاح اور طلاق کا

ادارہ اب صرف قانونی اور عدالتی ہے یہ روحانی، اخلاقی اور مذہبی کام نہیں ہے۔

نکاح بس ایک قانونی رضامندی Agreement اور دو افراد کے مابین معاہدہ Contract ہے یہ کوئی اخلاقی، روحانی عمل نہیں ہے لہٰذا اس میں ابدیت Eternity کا کوئی تصور سرے سے موجود ہی نہیں ہے جب تک دل چاہے ساتھ رہیں گے ورنہ راستے جدا ہو جائیں گے۔ یہ اخلاقی مذہبی روحانی عمل اور خدا سے وعدہ نہیں ہے نہ یہ رسول کی سنت ہے یہ ایک دیوانی معاہدہ[Civil Agreement] ہے۔ اسلام میں نکاح کی نیت دائمی رفاقت کا عہد ہے اس عہد کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ یہ ایک قلعہ ہے دائمی حصار ہے اسی لیے نکاح کے ذریعے جو رشتے اس زمین پر قائم ہوں گے وہ آسمان پر جنت میں بھی قائم رہیں گے۔

اسلام میں عائلی امور عدالت نہیں روایتی اجتماعیتیں حل کرتی ہیں:

باطل سے مقابلہ کبھی باطل کے باطل ہتھیاروں سے نہیں کیا جاتا

اسلامی نظم زندگی میں خاندان اقدار اخلاق محبت تعاون باہمی ایثار قربانی روایات کا ادارہ ہے اس ادارے کے تمام معاملات محلے، برادری، خاندان، قبیلے، مسجد، مدرسے، مفتی، علما اور حکمین [Arbitrators /Conciliator] کے ذریعے حل ہوتے ہیں خاندانی تنازعات اور اختلافات کے پہلے مرحلے میں ہی اگر ریاست کے قانون کے باعث عورت مرد ایک دوسرے کے خلاف FIR درج کرا دیں مقدمہ بازی شروع کر دیں تو صلح کے امکانات باقی ہی نہیں رہ سکتے نہ خاندان کا ادارہ کبھی پنپ سکتا ہے۔

مغرب کی جدید قانون سازی جدید سیکولر لبرل قوانین کے ذریعے ہی خاندانی نظام کا خاتمہ کرتی اور سول سوسائٹی قائم کرتی ہے پاکستان میں تحفظ حقوق نسواں کے نئے قانون کے ذریعے اسلام کے عائلی نظام کی روحانیت، وحدت، اخوت، محبت، مودت، رافت و رحمت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے اس باطل لبرل قانون کے جواب میں اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک رکن اور ایک عالم تحفظ حقوق مرداں بل لانے کا اعلان کر رہے ہیں۔

باطل کا مقابلہ کبھی باطل کے باطل ہتھیاروں سے نہیں کیا جاتا یہ اصول علماء کو بہت اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے رسالت مآب کے عہد میں جتنے غزوات اور جہاد ہوئے ان میں مشرکین اور کفار نے غنا، مزامیر، آلات موسیقی، لونڈیوں اور عورتوں کی رجزیہ شاعری کو۔ میدان جنگ

میں لہو گرم رکھنے کے لیے بہت شدت کے ساتھ بار بار استعمال کیا لیکن اس کے جواب میں رسالت مآب نے اسلامی موسیقی، اسلامی عورت، اسلامی غنا اسلامی لونڈی سے اس حملے کا مقابلہ نہیں کیا نہ لونڈیوں سے گانے گوا کر مشرکین کی طرح میدان وغا کو گرم فرمایا آپ نے ایمان، ایقان، حب الٰہی اور ذکر واذکار واوراد کے ہتھیاروں سے غنا، موسیقی، لہو ولعب کا مقابلہ کیا یہی طریقہ آج بھی ایک سنت کے طور پر زندہ رکھنے کی ضرورت ہے۔

انسانی زندگی کے معاملات میں بھی ریاست کا عمل دخل نہیں ہے:

اسلامی شریعت میں قتل کے معاملے میں بھی ریاست کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔ یہ قاتل ومقتول کے مابین معاملہ ہے ریاست کا کام صرف یہ ہے کہ مقتول کے ولی جس طرح اس معاملے کا فیصلہ چاہیں ریاست ان کی مرضی کے مطابق اس فیصلے کا پوری قوت اور دیانت داری کے ساتھ نفاذ کر دے ریاست کی عدالت کو خود کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں۔

جدید ریاست فرد کی زندگی کے ہر دائرے پر قانون کا نفاذ کر کے اسے اپنا غلام بنا لیتی ہے اسلامی شریعت فرد کی زندگی میں کم سے کم مداخلت کر کے اسے اخلاقی، رواجی، سماجی، معاشرتی، روایتی، تاریخی اصولوں اور روایتی اجتماعیتوں کے مشاورتی طریقوں کی روشنی میں اپنے مسائل خود حل کرنے کی اجازت دیتی ہے جدید قانون سازی کے ذریعے ریاست اب فرد کی خواب گاہ میں داخل ہو رہی ہے اور ہم ان قوانین کی اسلام کاری میں لگے ہوئے ہیں یہ ہماری بہت بڑی غلطی ہے جس کی فوری اصلاح ہونی چاہیے۔

استعماری قوتوں نے شرعی قوانین سب سے پہلے کیوں ختم کیے؟

عوام پر ریاستی غلبہ تسلط نرم ترین شرعی قوانین کے ذریعے محال تھا

تمام استعماری قوتوں نے خواہ وہ ولندیزی، انگریز، فرانسیسی، ہسپانوی، المانوی یا یورپی وامریکی ہوں انہوں نے افریقہ، ایشیا، عرب، ہندوستان، مصر اور دنیا میں بھر میں جہاں بھی قبضہ کیا اور نو آبادیات [Colonies] قائم کیں وہاں روایتی، رواجی، مقامی، تاریخی، اسلامی، شرعی مذہبی قوانین کو اسی لیے ختم کیا کہ ان قوانین کے ذریعے ریاست کا۔ کامل جبر تسلط عوام پر براہ راست قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

شرعی قوانین میں بے پناہ لچک تھی اس میں ریاست کی دخل اندازی کم سے کم تھی قاضی عدالتوں کے ذریعے قاضی اور مفتی کے اختیارات بہت زیادہ تھے عوام کا براہ راست تعلق قاضی، مفتی علماء سے ہوتا تھا ریاست، حاکم، امیر، خلیفہ، سلطان کے اختیار و اقتدار کا غلبہ عوام تک نہیں تھا۔ ہر جگہ صرف اور صرف علماء کی حکمرانی تھی ترکی میں ۱۹۰۱ء تک عدالتیں مساجد میں لگائی جاتی تھیں عدل لوگوں کی براہ راست رسائی میں تھا۔ جدید ریاست میں قانون اوپر سے نیچے آتا تھا، یہاں نیچے سے اوپر جاتا تھا۔ علم اور عدل کے ادارے امارت کی دسترس میں نہیں صرف اور صرف علماء کی دسترس میں تھے۔ حکمرانوں کا دائرہ اختیار بہت محدود تھا۔ استعماری قوتوں نے مسلم ممالک کو غلام بنانے کے بعد علم اور عدل ۔۔۔ درسگاہ اور عدالت کو علماء سے چھین کر حکمرانوں کے سپرد کر دیا۔ علم و عدل علماء سے الگ ہوئے تو بحر و بر میں فساد برپا ہو گیا۔

انیسویں صدی میں استعماری قوتوں کے غلبے کے بعد جدید ریاست کی طاقت بڑھانے کے لیے دنیا کے مختلف خطوں میں مختلف طریقے اختیار کیے گئے شرعی قوانین کو بھی اسی لیے ختم کیا گیا کہ شریعت اور قاضی اور اسلامی عدالت ریاستی جبر سے عوام کو محفوظ کرتی تھی اور عدل، لوگوں کو بغیر کسی معاوضے کے گھر کی دہلیز پر مسجد کے صحن میں ہر وقت آسانی سے میسر تھا۔ جدید ریاست نے خواہ وہ اسلامی ہی کیوں نہ ہو شرعی قوانین کو من و عن اس لیے نافذ نہیں کیا کہ اس نظام عدل میں ریاست حکومت حکمران کی گرفت عوام پر سرے سے قائم نہیں ہوتی قوت طاقت اختیار اقتدار مولوی علماء قاضی مفتی کے پاس ہی رہتا ہے قانون کا نفاذ مغرب کی طرح اوپر سے نیچے کی طرف نہیں ہوتا بلکہ نیچے سے اوپر جاتا ہے اسی صورت میں ریاست جابر نہیں ہو سکتی لہٰذا اس کے جبر کو مسلط کرنے کے لیے شرعی قوانین یا تو ختم کر دیے گئے یا ان کو سیکولر قانون میں ڈھال کر آئین سازی کے ذریعے سیکولر بنا دیا گیا اور ان کے نفاذ کے لیے شرعی عدالت ہمیشہ کے لیے ختم کر دی گئی یہ کام کیسے ہوا اس کی تفصیلات کے لیے درج ذیل کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا۔

(۱) برنارڈ ایس کوہن (Bernard Cohn)، Colonialism and its form of knowledge

(۲) ٹموتھی مچل (Timothy Mitchell)، Rule of Experts

(۳) ڈینیل ہیڈر (--------)، Tool of Impire

ہندوستان میں جدید ریاست شرعی روایتی قوانین کو ختم کر کے کیسے قائم ہوئی اس پر درج ذیل کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ یہ بتاتی ہیں کہ جدید ریاست کے قانون کا جبر کیا ہے

(۱) نکولس ڈرکس (Nicholas Dirks)، Scandle of Impire

(۲) رادھیکا سنگھا (Radhika Singha)، Despotism of Law Crime & Justice in Early Colonial India 1757- 1857

علماء پاکستانی ریاست سے اتنی محبت کیوں رکھتے ہیں؟

صرف ریاست کا یہ زبانی دعویٰ کہ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے ریاست نے کلمہ پڑھ لیا ہے پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ اسلام ہماری زندگی ہے علماء اس دعوے پر یقین رکھتے ہیں لہٰذا علماء ستر سال سے اس ریاست کے شانہ بشانہ کھڑے ہوئے ہیں وہ اسے مدینہ کے بعد دنیا کی پہلی اسلامی نظریاتی ریاست سمجھ کر اپنی جان مال اسلام کے قلعہ پاکستان پر نچھاور کر رہے ہیں ریاست سے ان کی وفاداری کی بنیاد مال و متاع، درہم و دینا، جاہ و حشم ۔۔ لوح و قلم اور طبل و علم نہیں صرف دینی عقیدہ ہے۔ علماء اس ریاست کے تحفظ کے لیے سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ ہیں وہ نہ ستائش چاہتے ہیں نہ صلہ نہ کوئی معاوضہ لیکن ریاست کا رویہ علماء کے ساتھ جو کچھ ہے اس کی تاریخ آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ جدید ریاست قانون کیسے بناتی ہے کیوں بناتی ہے اس کی قانون سازی کی اساس کیا ہوتی ہے اس کے لیے Kelson کی کتاب Pure Theory of state and law کا مطالعہ کیا جائے جس سے معلوم ہوگا کہ ریاست کا رویہ علماء سے ایسا کیوں ہے۔

تمام لبرل ملحد سیکولر پاکستان کے مخالف ہیں:

ریاست کو بھی معلوم ہے کہ صرف علماء دینی مدارس ہی اس اسلامی ریاست سے مخلص ہیں ان کے سوا تمام لبرل، سوشلسٹ، قوم پرست، ملحد و بے دین، سیکولر سب پاکستان کے ہی مخالف ہیں ان کے تعلقات بھارت، امریکہ، روس اور ایران کے حلیفوں وغیرہ سے ہیں یہ سب مشترکہ طور پر پاکستان کو گالیاں دیتے ہیں اور پاکستان کے خلاف غیر ملکوں سے NGOs کے نام پر امداد لے کر کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں ان کی تمام تر محبت ہمدردی کبھی امریکہ کبھی روس کبھی

چین اور کبھی مغرب کے ساتھ ہوتی ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ غفار خان کابل فہمیدہ ریاض بھارت اور فیض احمد فیض روس میں مقیم رہے۔ ان کی وفاداری کے مراکز پاکستان کے اندر نہیں پاکستان سے باہر ہیں۔

ریاست پاکستان اور اسلام کے تعلق کی نوعیت:

لہٰذا جدید ریاست بھی اپنی بقا اور حفاظت کے لیے اسلام کا نام لینے پر مجبور ہے یہ اسلام ہی اس کے تحفظ کا استعارہ ہے۔ اسلام ہی اس کی مشکلات کا مجبورانہ مداوا ہے اپنے دفاع کے لیے یہ ریاست مسلم قوم پرستی کے سوا کوئی دوسرا نعرہ ابھی تک ایجاد نہیں کر سکی لہٰذا جب بھی ریاست کی بقاء کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے تو اسے مسلم قوم پرستی کے ذریعے محفوظ کیا جاتا ہے جنرل مشرف نے امن کی خاطر یوم دفاع پاکستان چھ ستمبر کی چھٹی منسوخ کردی حتی کہ چھ ستمبر کو اخبارات میں جنگ ستمبر ۶۵ء کا تذکرہ بھی موقوف ہوگیا لیکن اچانک جنرل راحیل شریف کے زمانے میں چھ ستمبر مسلم قوم پرستوں کے لہو کو گرمانے کے لیے دوبارہ منایا جانے لگا۔ اخبارات کے خصوصی شمارے شائع ہوئے حکومت کی جانب سے کئی دنوں تک مضامین اشتہار کی صورت میں شائع ہوتے رہے ریاستی ضروریات، ترجیحات وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے کوئی اصول مطلق نہیں ہے۔

علامہ اقبال کے یوم پیدائش پر تعطیل ہوتی تھی مشرف دور میں وہ بھی ختم کردی گئی اب دوبارہ مسلم قوم پرستی کے لیے اقبال کی ضرورت محسوس ہوئی تو نومبر ۲۰۱۶ء میں یوم اقبال کے لیے پہلے وفاقی سطح پر تعطیل کا اعلان ہوا لیکن چھٹی کی منظوری نہیں ملی تو صوبائی سطح پر تعطیل کا اعلان ہوا پھر یہ اعلان بھی صرف تعلیمی اداروں تک محدود ہوگیا۔ جب ضرورت ہوگی اقبال کا دن بھی منایا جائے گا۔

ایم جے اکبر نے اپنی کتاب The Tinder Box میں پاکستانی ریاست کی اسلامی شناخت کے حوالے سے جو تحقیق پیش کی ہے وہ نہایت اہم ہے اسے اپنی نجات ارتقاء اور بقاء کے لیے اسلام ہی سے قوت و طاقت ملتی ہے ریاست نے کئی بار مصطفیٰ کمال اتاترک کی طرح قوم پرستی کے ذریعے طاقت کے حصول کی کوشش کی مگر یہ طریقہ کامیاب نہیں رہا یہ ریاست ابھی تک صرف جہاد کے جذبے سے توانائی حاصل کرتی ہے سیکولر لبرل اور سوشلسٹ شہادت کے لیے کسی جذبے سے عاری ہیں لہٰذا اسلامی علامتوں اور اصطلاحات کے ذریعے ہی ریاستی توانائی

حاصل کی جاتی ہے

مدرسہ چھوڑتے ہی علماء کے معاوضے کیوں بڑھ جاتے ہیں؟

یہاں ایک بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ علماء جو اپنے مدرسوں میں اتنی کم تنخواہ پاتے ہیں مگر یہی علماء اپنے مدرسے کی معمولی تنخواہ چھوڑ کر اپنے اسی علم اسی جسم کے ساتھ اسی ریاست کے اداروں اسکول کالج یونیورسٹی تحقیقی تصنیفی ادارے کارپوریشن مالیاتی اداروں یا نجی شعبوں میں خدمات انجام دینے پر آمادہ ہوجائیں تو اچانک علماء کی تنخواہیں مراعات سہولیات تیزی سے بڑھنا شروع ہوجاتی ہیں نظام حاضر و موجود کا حصہ بنتے ہی ریاست۔ سرکاری اور غیر سرکاری ادارے۔ انہی علماء کو نوازنے لگتے ہیں۔

اگر یہی عالم جو کسی یونیورسٹی میں پروفیسر ہے اور وہاں سالانہ لاکھوں روپے تنخواہ اور بے شمار مراعات سہولیات حاصل کر رہا ہے اچانک یونیورسٹی کو چھوڑ کر دوبارہ مدرسے میں چلا جائے تو ریاست یا نجی ادارے اسے تمام مالی مراعات سے محروم کرکے اس بات کی سزا دیتی ہے کہ وہ اس نظام سے باہر کیوں چلا گیا اس نظام کی خدمت سے کیوں الگ ہوگیا۔ علماء کا مکان (جگہ Place) بدلنے سے ان کا مقام (معاشی مقام Status) کیوں بدل جاتا ہے یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی۔ کیا ایک اسلامی ریاست ایسا کرسکتی ہے؟

اسلامی خلافت میں علماء اور امارت اسلامی کا تعلق:

علماء اسلامی خلافت میں معاشی طور پر خود کفیل تھے:

واضح رہے کہ اسلامی خلافت میں علماء کو جاگیریں دی جاتی تھیں اچھے مشاہرے اور معاوضے ملتے تھے۔ عطایا بھجوائے جاتے تھے۔ ریاست کا پورا نظام علماء کے مشورے سے چلتا تھا برنارڈ لوئیس نے جس کا دعویٰ ہے کہ وہ آخری مستشرق ہے وہ عالم اسلام اور خلافت عثمانیہ پر سینکڑوں کتابوں کا مصنف ہے اپنی کئی کتابوں میں بتاتا ہے کہ خلافت عثمانیہ کا خلیفہ مطلق العنان نہیں تھا وہ ہر فیصلہ کرتے ہوئے بے شمار لوگوں طبقات سے مشورہ کرتا اور آخری مشورہ علماء اور مفتی اعظم سے کرتا تھا اس سلسلے میں اس نے ترکی میں مقیم کئی مغربی سفارت کاروں کے وہ مراسلے بھی شائع کیے ہیں جو وہ اپنے ملکوں کے بادشاہ کو لکھتے تھے اور اس میں بتاتے تھے کہ بادشاہ کوئی فیصلہ

خود نہیں کرتا اس لیے ہمیں مراعات کے حصول میں انتظار کے لمحات برداشت کرنا ہیں۔

خلافت اسلامیہ میں علماء کے لیے وقف کا پورا نظام قائم تھا علماء ان کی نگرانی کرتے تھے ترکی میں وقف کی اراضی املاک کو جدید ترقی، ٹرام، ریل گاڑی کی سہولیات اور جدید ریاست کی مادی ترقی۔ کی فراہمی میں لگایا گیا اور علماء کو ان تمام ذرائع آمدنی سے محروم کیا گیا وائل اے حلاق نے Shariah Theory and Practice میں اوقاف کے موضوع پر نفیس گفتگو کی ہے۔

عالم وہ ہے جو پانچ مابعدالطبیعیاتی سوالات کا علم رکھتا تھا:

ہندوستان میں انگریزوں نے تمام اوقاف، املاک جو علماء اور مدارس و مساجد سے ملحق تھیں ان پر قبضہ کر کے علماء کو معاشی طور پر بدحال کر دیا اس کے باوجود علماء دین کی خدمت میں مصروف رہے یہ ان کا بہت بڑا احسان ہے۔ خلافت اسلامیہ میں سب سے بڑے عالم کو بادشاہ اپنے برابر جگہ دیتا تھا تمام روایتی تہذیبوں میں علم الٰہی اور علم آخرت کے عالم کو ہی عالم تسلیم کیا جاتا تھا علوم عقلیہ اور سائنسی علوم۔ تمام روایتی تہذیبوں میں علوم کی تلچھٹ سمجھے جاتے تھے۔ کسی تہذیب میں سائنس دان کی کوئی عزت نہیں تھی صرف دنیا کمانے والوں کو عالم ہی نہیں سمجھا جاتا تھا اسلامی تاریخ میں جتنے بڑے سائنس داں ہیں وہ یا تو معتزلی ہیں یا ملحد ہیں یا اسلام کے شیعہ مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ تفصیلات کے لیے ڈاکٹر حسین نصر کی کتاب Science and civilization in Islam کا مطالعہ کر لیجیے لیکن اس کے باوجود خلافت اسلامیہ معتزلہ اور ملحدین کے قبضے میں نہیں تھی یعنی اسلام کے غلبہ کا تعلق سائنس سے نہیں تھا۔

انبیاء نے عاد ثمود اور فرعون کی تہذیب سائنس ترقی عمارات کو باقی نہیں رکھا نہ اسے اختیار کیا نہ اس میں اضافہ کیا نہ اس کی تاریخ محفوظ کی نہ ان کے آثار پر تحقیقات کے لیے ادارے قائم کیے نہ ان آثار کو سیاحت عالم کے لیے کھول کر اس سے پیسے کمائے نہ ٹورازم کی صنعت متعارف کرائی نہ ملکی معیشت کو اس سیاحت سے وابستہ کیا انہوں نے باطل مابعدالطبیعیات کے باطل علوم کو بھی مسترد کر دیا یہ ہے انبیاء کی تاریخ جو قرآن کے نصوص صریحہ سے ثابت ہے۔

روایتی تہذیبوں میں علوم عقلیہ کو اور فنون کو رزق کے حصول کے طریقے اور Art and Craft سمجھا جاتا تھا ان فنون کے ماہرین کی عزت نہیں کی جاتی تھی یونان میں sophist اس لیے ذلیل تھے کہ یہ معاوضے مشاہرے لے کر اپنے فنون فروخت کرتے تھے

افلاطون، ارسطو سقراط وغیرہ کی روایت میں علم یا فنون کا معاوضہ وصول کرنا بہت بڑی ضلالت تھی یہ اخلاقی روایات یونانی تہذیب کے دور زوال میں موجود تھیں۔

سب سے بڑا عالم اور فلسفی روایتی تہذیبوں میں وہ ہوتا تھا جو حقیقت ازلی و ابدی، حقیقت کائنات، حقیقت زندگی کا علم رکھتا ہو یعنی مابعدالطبیعیاتی سوالات کے جوابات دینے والا بڑا عالم کہلاتا تھا کانٹ کے بعد جب حاضر و موجود کی مابعدالطبیعیات [Metaphysics of Presence] آ گئی تو سب سے بڑا علم سائنس اور عالم سائنس داں بن گئے دینی علوم کے فاضلوں کو حقیر کر دیا گیا۔ لیکن مغرب میں بھی صرف کچھ عرصے تک سائنس دانوں کو کچھ نہ کچھ عزت حاصل رہی لیکن نظام سرمایہ داری کے مکمل غلبے کے بعد وہاں عزت اور ذلت کا پیمانہ صرف سرمایہ ہے جس کے پاس زیادہ سرمایہ ہے وہ زیادہ عزت والا ہے لہٰذا اب سائنس داں وہاں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں انھیں کوئی نہیں پوچھتا۔

مغرب میں سائنس دانوں کی بھی کوئی عزت نہیں:

دنیا بھر میں عموماً اور عالم اسلام میں خصوصاً سائنس کو برتر علم جانا جاتا ہے لیکن سائنس دان [Scientists] کی مغرب میں اتنی عزت نہیں کی جاتی جتنی عزت سٹے باز Risk Managers رنڈیوں، مراثیوں، بھانڈوں [Showbuisness Stars] اور کھلاڑیوں [Sports men] کی ہوتی ہے۔ عزت کا پیمانہ مغرب اور دنیائے جدید [Modren Age] میں صرف مادی ہے اور وہ ہے پیسہ۔ جو زیادہ کماتا ہے وہ زیادہ عزت پاتا ہے سب سے زیادہ پیسہ سٹے باز کماتے ہیں اس کے بعد رنڈیاں اور کھلاڑی وغیرہ اس کے بعد سائنس دانوں کا نمبر آتا ہے کیونکہ سٹے باز اور رنڈیاں سرمایہ کی پیداوار میں سائنس دانوں سے زیادہ بہتر ہیں مثلاً عالمی اولمپکس کے ایک ہفتے کے کھیل سے جتنا سرمایہ پیدا ہوتا ہے امریکہ کی تمام یونیورسٹیاں سال بھر میں اتنا سرمایہ پیدا نہیں کر سکتیں۔ صرف امریکہ میں عریانی فحاشی کی صنعت ایک سال میں جتنا سرمایہ پیدا کرتی ہے دنیا کی کئی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں (جن میں مائیکروسافٹ جیسی کمپنی بھی شامل ہے) اجتماعی طور پر بھی اتنا سرمایہ پیدا نہیں کرتیں کرس ہیجز کی کتاب دیکھ لیجیے۔

World wide porn revenues topped 97 billion Dollar in 2006. That is more than the revenues of Microsoft,

Google. Amazon, e Bay, Yahoo, Apple, Net flix & Earth link combined. [Chris Hedges., *Empire of illusion : The end of literacy & the triumph of spectalce* , Nation Books USA 2009, p. 58]

لہٰذا زیادہ اجرت [Salaries/wages] اسے ملے گی جو زیادہ سرمایہ پیدا کرے گا۔ برکلے یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی تنخواہ یونیورسٹی کے فٹبال کوچ سے کم ہے فٹبال کوچ سالانہ تین ملین ڈالر کماتا ہے اور وائس چانسلر تین لاکھ ڈالر بھی نہیں کماتا۔ ایک فٹبال میچ سے جتنا سرمایہ پیدا ہوتا ہے برکلے اتنا سرمایہ کئی سالوں میں نہیں پیدا کرسکتی۔ کرس ہیجز اپنی کتاب *The impire of illusion* میں لکھتا ہے

The football coach is Berkeley's highest paid employee. He makes about 3 million dollar. [p. 94]

کرس ہیجز اسی کتاب کے باب Illusion of Love میں لکھتا ہے کہ امریکہ میں ایک اعلیٰ ترین رنڈی تین ہزار ڈالر فی گھنٹہ کماتی ہے۔ آج کل اسے آرٹسٹ، فلم اسٹار، فلمی ستارہ sex worker کہا جاتا ہے لیکن اس پیشے کے عیوب ظاہر کرنے کے لیے سب سے بہترین لفظ یہی ہے۔

The porn stars make anywhere from 1500 dollar to 3000 dollar an hour as prostitute. [p. 68, ibid]

اگر یہ رنڈی روزانہ بارہ گھنٹے کام کرے تو اس کی روزانہ کی آمدنی ۳۶ ہزار ڈالر ہے جو ایک امریکی استاد کی سالانہ آمدنی ہے یہ رنڈی ماہانہ دس لاکھ اسی ہزار ڈالر کماتی ہے جبکہ امریکی سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ایک سال میں صرف دو لاکھ سترہ ہزار چار سو ڈالر کماتا ہے رنڈی کا لفظ اب متروک ہوگیا ہے کیونکہ معاشرے میں گناہ اور گناہ گار کو پسند کیا جارہا ہے۔ اسے برداشت [tolerance] کہتے ہیں یہ آزادی کے عقیدے کا نتیجہ ہے ہر پھول کو کھلنے دو۔ آپ نیک کام کریں دوسرے کو برے کام کرنے دیں دونوں کا حق ہے عہد حاضر حق [Right] کے منہاج کا عہد ہے آپ جو چاہے کریں کہ حق [Good] کچھ نہیں ہوتا یہ ہر شخص کا محض دعویٰ ہوتا ہے ہر شخص کو حق [Right] ہے کہ جسے خیر [Good] سمجھے اپنی ذاتی زندگی میں اسے خود اختیار کرے

دوسرے کو اختیار کرنے پر مجبور نہ کرے اپنی مرضی آزادی اختیار مطلق سے آپ جس خیر کو اختیار کرنا چاہیں کرسکتے ہیں۔ دوسرے معنوں میں خیر کی بحث بے معنی ہے خیر کچھ نہیں ہوتا اصل چیز پیسہ ہے بس پیسے کماؤ جدید نظام تعلیم اور تعلیمی اداروں کا یہی مقصد ہے۔

حسین نصر نے بھی یہ بات لکھی ہے کہ مغرب میں اسپورٹس ہیرو کی ایک سال کی آمدنی ایک بہت بڑے سائنس داں اور عظیم مفکر کی پوری زندگی کی آمدنی سے زیادہ ہوتی ہے۔

There are now sports heroes who make more of a salary in one year than the greatest westren scientists or scholars will do in his or her life time. [S. H. Nasr: *A Young Muslim's guide to the modern world*, Suhail Academy Lahore, 1988, p.232]

مشہور فلسفی مائیکل سانڈل لکھتا ہے کہ امریکہ میں اسکول کا ایک عام استاد ایک سال میں ۴۳ ہزار ڈالر کماتا ہے لیکن ڈیوڈ لیٹر مین جو رات گئے فحش گوئی کے پروگرام کی میزبانی کرتا ہے اس کی سالانہ آمدنی اکتیس ملین ڈالر ہے امریکہ کا سب سے عاقل اہم ترین آدمی سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ایک سال میں صرف دو لاکھ سترہ ہزار چار سو ڈالر کماتا ہے اور ایک ٹیلی ویژن شو کی جج جوڈی ایک سال میں ۲۵ ملین ڈالر کما لیتی ہے

☆The average schoolteacher in the United States makes about $43,000 per year. David Letterman, the late-night talk show host, earns $31 million a year.

☆John Roberts, chief justice of the U.S. Supreme Court, is paid $217,400 a year. Judge Judy, who has a reality television show, makes $25 million a year. [*Justice, What's The Right Thing To Do?*, Michael J. Sandel ,p.162]

اس صورت حال میں بچے اسکول جانا پسند کریں گے یا وہ کام کرنا پسند کریں گے جس کے حصول کے لیے صبح سے رات تک پڑھنے لکھنے اور سر کھپانے کی ضرورت نہیں۔ جس سے ان کی آمدنی بے پناہ ہوجائے۔

اسلامی اسکولوں میں جب آپ بچے کو اسلام آخرت اور بہترین آمدنی بہترین معیار

زندگی بہترین دنیا یعنی دو مختلف تصورات خیر کی طرف بلاتے ہیں تو بچہ کون سا تصور خیر اختیار کرے گا؟ اگر آج کی نسل معیار زندگی بلند کرنے کے لیے غیر اخلاقی پیشوں کو بے تابانہ اختیار کرنا چاہتی ہے تو اس کا سبب ہمارے غلط نظریات ہیں ہر تہذیب میں تصور خیر (Concept of Good) صرف ایک ہوتا ہے اسلامی تہذیب کا تصور خیر التوحید ہے مغرب کا تصور خیر آزادی ہے جس کی دو شکلیں ہیں ایک تجریدی [Abstract] یعنی ووٹ [Vote] دوسری ٹھوس [Concrete] وہ ہے سرمایہ [Capital] - سرمایے کے بغیر آزادی کا حصول ممکن نہیں اور جدید نظام تعلیم اور اس کے قائم کردہ ادارے سرمایہ داری کے لیے شاہ دولہ کے چوہے [Corporate slaves] پیدا کرتے ہیں یہ غلام سرمایہ، عیاشی، آزادی کے سوا کچھ اور سوچنے کچھ اور کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ جس طرح دریا کا پانی بہہ کر سمندر کی طرف جاتا ہے جس طرح کچھوے کا بچہ اس زمین پر آنکھ کھولتے ہی سمندر کا رخ کرتا ہے اسی طرح جدید نسل تعلیم کے بحر سے باہر نکلتے ہی دنیا پرستی اور عیش پرستی کی طرف دوڑتی ہے۔

تصور خیر کی بحث بنیادی بحث ہے خیر [Good] اس پیمانے کو کہتے ہیں جس پر ہر شے کو پرکھا جا سکے لہٰذا پیمانہ ہمیشہ ایک ہوتا ہے پیمانہ کبھی دو نہیں ہو سکتے جب ہم دین اور دنیا کو برابر سمجھتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ A=B دوسرے معنوں میں B=A بنیادی سوال یہ ہے کہ دین کو دنیا کے پیمانے پر پرکھا جائے گا یا دنیا کو دین کے پیمانے پر پرکھا جائے گا؟ اگر دونوں برابر ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کو دنیا کے پیمانے پر پرکھنا بالکل درست ہے لہذا عصر حاضر میں دین وہی ہے جو دنیا کے پیمانے پر پورا اترے سرسید اور شبلی کے الفاظ میں سچا دین وہ ہے جو جدید تہذیب و تمدن اور زمانے کی ترقی کا ساتھ دے سکے تفصیلات کے لیے حالی کی **حیات جاوید**، ضیاء الدین لاہوری کی **افکار سرسید** شبلی نعمانی کی **علم کلام اور الکلام** اور سید سلیمان ندوی کی **حیات شبلی** کا مطالعہ کیجیے دوسرے معنوں میں ہم دین کے مطابق ڈھلنا نہیں چاہتے بلکہ دین کو اپنے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں۔ ہم قرآن و سنت کے مقلد نہیں شریعت ہماری مقلد ہے شریعت حاکم نہیں ہمارا نفس حکم ہے۔

چونکہ دین اس امتحان میں ناکام ہے وہ دنیا پرستی، مادّہ پرستی [Materialism] اور مادہ پرستی [Women Worship] اور عیش پرستی کی دلیلیں مہیا کرنے سے قاصر ہے لہٰذا

دین کی تشکیل جدید، تعبیر نو، تعمیر نو، [Re construction of Religious thought] بلکہ تخریب نو کا کام زور و شور سے جاری ہے۔ ہماری نئی نسل اگر دنیا پرست بن گئی ہے بہترین مستقبل کے لیے ترک وطن کر کے دارالحرب میں قیام اگر اس کی اولین ترجیح ہے اگر عالم اسلام سے ذہانت کا انخلا [Brain Drain] ہو رہا ہے ہر شخص دولت کے زیادہ سے زیادہ حصول کو اگر اپنا مقصد زندگی بنا چکا ہے تو اس کا سبب ہمارا یہ نیا عقیدہ ہے کہ دین و دنیا برابر ہیں کیونکہ دنیا پہلے ہے آخرت بعد میں۔ لہٰذا دنیا پہلے دین بعد میں بعض جدیدیت پسند کہتے ہیں کہ قرآن میں بھی یہی آتا ہے **ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة** ڈاکٹر حسین نصر کے بیٹے ولی رضا نصر کی کتاب Islamic Capitalism اب نئے نام Meccanomics سے منظر عام پر آئی ہے جو اسلامی دنیا میں سرمایہ دارانہ اسلام یا اسلامی سیکولرازم کے جدید مظاہر، آثار سے آگاہ کرتی ہے جو مغرب کو مطلوب ہے ہمارے تعلیمی ادارے ایسی ہی نسل تیار کر رہے ہیں جو رسوم و رواج عادات و اطوار اور بعض مظاہر کی سطح پر مذہبی ہو لیکن ذہنی، قلبی، عقلی طور پر مادہ پرستی کی غلام ہو۔

جب آپ مغربی تصور خیر زیادہ آمدنی بہترین معیار زندگی بلکہ معیار زندگی میں مستقل اور مسلسل اضافے کو بھی اسلامی تصور خیر کے طور پر قبول کریں گے کہ اس میں کیا حرج ہے تو آپ کی بیٹی شریف عورت بیوی، ماں نہیں سپر اسٹار بننا پسند کرے گی آپ کے بچے عالم دین نہیں بنیں گے کیوں کہ یہ ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں گے۔ نہ وہ کسی ایسے پیشے اور فن کو اختیار کریں گے جس میں کم پیسے ملتے ہوں۔ کیونکہ زندگی کا مقصد آزادی [Freedom]، سرمایہ کا ارتکاز [Accumalation of Capital] معیار زندگی کے خدا کی پرستش [Worship of standard of Living] ، H D I میں اضافہ اور عیش و عشرت لذت پرستی [Hendonism] ہے۔ علم وہ ہے جس سے ترقی اور اچھی نوکری ملے۔ اتنا پڑھ لکھ کر اگر اتنے کم پیسے ملتے ہیں تو ایسے علم کا کیا فائدہ؟ جب زندگی کا مقصد معیار زندگی میں اضافہ ہے تو اس مقصد کی خاطر دین، اخلاق، تہذیب، تمدن، اقدار روایات سب کچھ قربان کی جا سکتی ہیں ہر عقیدہ اور ایمان خواہ صحیح ہو یا غلط اس کی ایک قیمت ہوتی ہے دنیا پرستی کی ایک قیمت ہے جو نئی نسل ادا کرنا چاہتی ہے دین و دنیا کو یکساں سطح پر رکھنے کی بھی ایک قیمت ہے۔ بالکل اسی طرح توحید پرستی کی

بھی ایک قیمت ہے جو سب کو معلوم ہے مگر ہم اسے ادا کرنا نہیں چاہتے لہٰذا مذہبی تاویلوں میں الجھے رہتے ہیں۔ دو مختلف بلکہ متضاد تصورات خیر کو یکساں سمجھنے کی اس بنیادی غلطی کے باعث ہمارے اسلامی اسکولوں میں دی گئی اسلامی تعلیمات، تجوید کے اسباق، ان بچوں کی درست سمت سفر متعین نہیں کر سکیں گے۔

امریکہ میں سائنس دانوں کو کیسے ذلیل کیا جاتا ہے

امریکہ میں حکومت سائنس دانوں کو کس طرح ذلیل کرتی ہے، ان کے خلاف کیا اقدامات کرتی ہے، ان کو سائنسی تحقیقات پیش کرنے سے کیوں منع کرتی ہے اس کی تفصیلات The Collaps of Western Civilization کی مصنفہ کے قلم سے پڑھیے جو ہارورڈ یونیورسٹی میں تاریخ کی پروفیسر ہے۔

A crucial but under-studied incident was the legal seizing of notes from scientists who had documented the damage caused by a famous oil spill of the period, the 2011 British Petroleum Deepwater Horizon. Though leaders of the scientific community protested, scientists yielded to the demands, thus helping set the stage for further pressure on scientists from both governments and the industrial enterprises that governments subsidized and protected. Then legislation was passed (particularly in the United States) that placed limits on what scientists could study and how they could study it, beginning with the notorious House Bill 819, better known as the "Sea

Level Rise Denial Bill," passed in 2012 by the government of what was then the U.S

. state of North Carolina (now part of the Atlantic Continental Shelf) Meanwhile the Government Spending Accountability Act of 2012 restricted the ability of government scientists to attend conferences to

share and analyze the results of their research. Though ridiculed when first introduced, the Sea Level Rise Denial Bill would become the model for the U.S. National Stability Protection Act of 2025, which led to the conviction and imprisonment of more than three hundred scientists for "endangering the safety and well-being of the general public with unduly alarming threats." By exaggerating the threat, it was argued, scientists were preventing the economic development essential for coping with climate change. When the scientists appealed, their convictions were upheld by the U.S. Supreme Court under the Clear and Present Danger doctrine, which permitted the government to limit speech deemed to represent an imminent threat. Had scientists exaggerated the threat, inadvertently undermining the evidence that would later vindicate them? [Nomi Oreskes & E. Mcnway The collapse of western civilization: a view from the future , Columbia University Press. New York, 2014, p. 13, 14]

جدید ریاست کا اصل مذہب سرمایہ کی پرستش [Worship of capital] ہے

ماڈرن ازم سے پہلے دنیا کی ہر ریاست مذہب کی سرپرستی کرتی تھی۔ اٹھارہویں صدی کے بعد انقلاب امریکہ انقلاب فرانس انقلاب روس، انقلاب چین، فیڈرلسٹ پیپرز اور ہیومن رائٹس کے بعد ریاست کا مذہب صرف اور صرف سرمایہ میں اضافہ کرنا رہ گیا ہے۔ جو صرف سائنسی ترقی کے ذریعے ہی ممکن ہے لہٰذا جدید ریاست لامتناہی قوت لامتناہی علم لامتناہی سرمایہ کے لیے سائنس و سرمایہ کی سرپرستی کرتی ہے۔ مغرب نے آزادی کا جو باطل عقیدہ دیا ہے اس آزادی کے عقیدے کی دو شکلیں ہیں ایک ٹھوس [Concrete] یہ سرمایہ [Capital] ہے ایک تجریدی [Abstract] یہ ووٹ [Vote] ہے واضح رہے کہ دولت [Wealth] اور سرمایہ [Capital] میں بنیادی فرق ہے دولت محدود مقید اور جغرافیائی ہوتی ہے سرمایہ لامحدود لا

متناہی آفاقی اور فی الحقیقت کچھ نہیں صرف اعداد وشمار [Numbers] کا گورکھ دھندہ ہوتا ہے یہ حرص وحسد وہوس کی عمومیت اور عالمگیریت کا نام ہے۔

دولت انسان کی غلام ہوتی تھی لیکن سرمایہ انسان کو اپنا غلام بنالیتا ہے اور انسان سرمایے کی غلامی سے باہر نہیں نکل پاتا یہ غلامی اتنی خوبصورت ہے کہ کسی کو بری نہیں لگتی یہی سرمایے کا کمال ہے سرمائے نے مذہبی غیر مذہبی ہر شخص کو اپنا اسیر کرلیا ہے۔قرآن کے الفاظ میں **جمعً مالاً وعددہ** ۔سرمایہ اور مارکیٹ جدید ریاست کے دو بنیادی مصادر قوت ہیں جدید ریاست HDI, GNI, GNP, GDP BMI کے پیمانوں پر یقین رکھتی ہے حالانکہ ان پیمانوں پر بھی دنیا کے ۲۰ بڑے معاشیات دانوں نے اعتراضات کیے ہیں تفصیلات کے لیے کتاب Mismeasuring our lives پڑھیے اس کتاب کا دیباچہ فرانس کے سابق صدر سرکوزی نے لکھا ہے فرانس کی سول سروس کے لیے اس کتاب کا مطالعہ لازمی ہے۔اصلاً یہ کتاب کتاب سرکوزی کے قائم کردہ کمیشن کی رپورٹ ہے جس میں جوزف اسٹیگلز اور امریتا سین جیسے ماہرین معاشیات شامل تھے۔

لوگوں کے معیار زندگی میں مسلسل اور مستقل اضافہ جدید ریاست کا اصل وظیفہ ہے لہٰذا لامتناہی طاقت لامتناہی سرمایہ اور لامتناہی علم اس کی اصل ضرورت ہے سرمایہ کی قائم کردہ مارکیٹ سوسائٹی اور روایتی معاشروں کے بازار میں تجارت کا فرق ایک مثال سے واضح کیا جاسکتا ہے۔

روایتی معاشروں میں پیداوار [Production] پہلے ضرورت [Needs] کے لیے ہوتی تھی:

روایتی معاشروں کے کسی گاؤں میں غلے، اناج، دیگر اشیاء کی تجارت کا سب سے پہلا اصول اس کی Use Value تھی یعنی یہ اشیاء پہلے گاؤں شہر کی ضروریات کے لیے استعمال ہوں گی اگر بچ گئیں تو اسے عادلانہ منافع پر فروخت کیا جائے گا Exchange value آخر میں استعمال کے بعد بچی ہوئی چیزوں کے لیے آتی ہے۔

کیپٹل ازم میں پیداوار [Production] کا اصل مقصد قدر استعمال Use Value نہیں قدر تبادلہ Exchange value ہوتا ہے پیداوار استعمال کے لیے نہیں اس سے مزید پیداوار بڑھانا مقصود ہوتا ہے یعنی سرمایہ سے لامحدود سرمایہ کمانا Accumalation

of Capital for the sake of capital سرمایہ کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ [Mean to an end] نہیں بلکہ بذاتہ خود مقصد End in Itself بن جاتا ہے اس لیے لوگوں کے پاس اتنا زیادہ سرمایہ جمع ہوگیا ہے کہ نہ وہ اسے استعمال کرسکتے ہیں نہ کھا سکتے ہیں نہ کسی کو کھلانے پر آمادہ ہیں لہٰذا وہ پانامہ جیسے جزیروں میں اپنا سرمایہ چھپا دیتے ہیں۔

معیار زندگی میں مسلسل مستقل اضافہ جدید عقیدہ ہے:

پیغمبر کا معیار زندگی ہر شخص حاصل کرسکتا ہے مگر وہ پسند نہیں

شاعری میں زمین کو لیئیم اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ قیمتی انسانوں، ہیرے جواہرات جیسے لوگوں کو اپنے اندر سمو لیتی ہے نہ خود ان سے فائدہ اٹھاتی ہے نہ دوسروں کو فائدہ اٹھانے دیتی ہے عہد حاضر کے تمام سرمایہ دار اصلاً لیئیم ہیں جو نہ اس سے فائدہ اٹھارہے ہیں نہ اپنی امت، ملک ،قوم، خاندان کو فائدہ پہنچا رہے ہیں اس نظام زندگی میں کسی عثمان غنی کا پیدا ہوجانا محض اتفاق اور حادثہ ہے لیکن خلقی طور پر یہ نظام ایسی ہستیاں پیدا نہیں کرسکتا وہ صرف لیئیم پیدا کرتا ہے لہٰذا آپ کو پورے معاشرے میں کوئی ایک فرد ایسا نہیں ملے گا (۱) جو اپنے موجودہ معیار زندگی پر بالکل مطمئن ہو اس میں اضافہ نہ چاہتا ہو (۲) کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا جو اپنے موجودہ معیار زندگی کو بلند نہ کرنا چاہتا ہو (۳) کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا جو اپنے موجودہ معیار زندگی کو مسلسل اور مستقل کم کرنا چاہتا ہو (۴) کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا جو اپنے موجودہ معیار زندگی کو رسالت مآب ﷺ کے معیار زندگی کی سطح پر لانے کا خواہش مند ہو یا اس معیار کی آرزو یا جستجو رکھتا ہو ___ حالانکہ رسالت مآب ﷺ کا معیار زندگی ہر شخص اختیار کرسکتا ہے مگر مغرب کا معیار زندگی صرف اعشاریہ پانچ فی صد لوگ ہی اختیار کرسکتے ہیں جس معیار زندگی کا حصول ہر وقت ممکن ہے وہ کسی کو پسند نہیں جس معیار کا حصول خواب وخیال ہے جو صرف میڈیا پر نظر آسکتا ہے جس کی قیمت ادا کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں ہر ایک اسی کو حاصل کرنے کی دوڑ میں لگا ہوا ہے یہی مغرب کی اصل کامیابی ہے سورۂ تکاثر اسی دوڑ اور زر پرستی کا جواب ہے۔

آزادی، ترقی زیادہ سے زیادہ سرمایہ: تین مغربی عقیدے نہایت تباہ کن ہے

ان تین عقیدوں نے خاندان، مذہب، اخلاقیات، رشتوں کو ختم کردیا ہے

مارکیٹ سوسائٹی اور سرمایہ دارانہ نظام کے نتیجے میں Choices بڑھ جاتی ہے مگر

بھوک کے امکانات بھی بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں روایتی معاشروں میں صرف بازار ہوتے تھے لہٰذا جدید ریاست کی مارکیٹ سوسائٹی کے مقابلے میں بازار میں Choices بہت کم ہوتی تھیں لیکن کھانے پینے کے لیے سب لوگوں کو کم چیزیں کم اشیاء وافر مقدار میں میسر ہوتی تھیں۔

ژی ژیک کو اسلام پر یہی اعتراض ہے کہ وہ Choices نہیں دیتا صرف Options دیتا ہے ظاہر ہے Choices آزادی کے عقیدے سے مشروط ہے آزادی کی نفی بندگی ہے۔ جدید ریاست سرمایہ دارانہ نظام مارکیٹ سوسائٹی بے پناہ Choices تو دیتی ہے
۔

لیکن کس قیمت پر مثلاً جس علاقے میں اعلیٰ سیب پیدا ہوتا ہے وہ سیب اس علاقے کے لوگوں کو میسر نہیں ہوتا مگر کراچی میں مل جاتا ہے کیوں کہ یہاں اس کی قیمت بہت زیادہ ہے آپ نے یہ سیب اپنے گاؤں علاقے کے لیے نہیں اپنے قبیلے برادری کے لیے نہیں مارکیٹ کے لیے Exchange Value کے لیے پیدا کیا ہے آپ کی پیداوار محنت کسی ضرورت کے لیے نہیں لوگوں کی خدمت کے لیے نہیں صرف سرمایے کے حصول کے لیے ہے۔ اس ذہنیت کے ساتھ جب مال کمایا جاتا ہے تو انسان تمام رشتوں، محبتوں، تعلقات، روایات، اقدار سے بغاوت کر کے ہی سرمایہ کما سکتا ہے لہٰذا آج ہمارے گھروں میں جوٹوٹ پھوٹ ہے بھائی بھائی کو قتل کر رہا ہے اولاد ماں باپ کو قتل کر رہی ہے ہر خاندان منتشر ہے کہ محبت ایثار قربانی کی جگہ آزادی ترقی اور زیادہ سے زیادہ سرمایہ جمع کرنے کے تین جدید مغربی عقیدوں نے لے لی ہے ان عقیدوں کو ترک کر دیجیے دنیا کی ہر چیز ہر گھر ہر مسئلہ ٹھیک ہو جائے گا۔

آزادی کا عقیدہ انفرادیت پرستی اور سول سوسائٹی پیدا کرتا ہے

سول سوسائٹی تمام روایتی، مذہبی اجتماعیتوں کے خاتمے کا نام ہے

ہم تاریخ انسانی کے ایک ذلیل ترین معاشرے میں رہ رہے ہیں جسے مغربی اصطلاح میں سول سوسائٹی [Civil Society] کہا جاتا ہے۔ جہاں تمام تعلقات کی بنیاد صرف مفادات Self interests اور معاہدے [Contracts] ہیں۔

یہ ایک معاہداتی معاشرہ [Contractarian Society] یعنی سول سوسائٹی ہے۔ لہٰذا مفاد پورا ہوتے ہی معاہدے ختم ہو جاتے ہیں شادی بھی بس ایک معاہدہ ہے جی بھر گیا

تو میاں یا بیوی کسی نے بھی طلاق دے دی کیوں کہ طلاق کا حق سول سوسائٹی میں دونوں کو حاصل ہے ترکی میں مرد عورتوں کو اس لیے قتل کر دیتے ہیں کہ تم نے مجھ سے طلاق کیوں نہیں مانگی مجھے طلاق کیوں دی۔ امریکا میں عاشق اپنی ان تمام معشوقاؤں کو قتل کر دیتے ہیں جو کسی اور سے بھی رسم عشق نبھا رہی ہیں کیوں کہ یہ معاہدہ زبانی [oral contract] کی خلاف ورزی ہے۔

سول سوسائٹی میں تمام تاریخی، مذہبی، روایتی، نسلی، لسانی، گروہی، قبائلی، خاندانی، عصبی، دینی، اجتماعتیں ختم ہو جاتی ہیں اور صرف معاہداتی اجتماعتیں [Contratarin Collectivities] وجود میں آتی ہیں یہ مصنوعی اجتماعتیں فرد کا تحفظ کرتی ہیں، فرد اب رشتوں کی زنجیر سے کٹ کر انفرادیت پسندی کے فلسفے کے تحت اب اس دنیا میں ایک آزاد اور تن تنہا وجود ہے ایسے انسان کو بھی بہر حال اجتماعیت کی ضرورت ہے کیوں کہ انسان اجتماعیت کے بغیر اور اپنی شناخت کے بغیر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ لہٰذا حقیقی اجتماعیتوں Real Collectivities کا متبادل یہ جعلی، جدید اور مصنوعی اجتماعتیں وجود پذیر ہوتی ہیں جنھیں یونین، NGO'S، فلاحی تنظیم ایسوسی ایشن، کوآپریٹو سوسائٹی، ویلفیئر سوسائٹی، پروفیشنلز ایسوسی ایشن وغیرہ کہا جاتا ہے۔

یہ مصنوعی اجتماعتیں جیسے ڈاکٹر، اساتذہ، سرجن، صحافیوں، عورتوں، کھلاڑیوں، فوٹوگرافروں، بوڑھوں، جوانوں، لیکچرر، پروفیسر، طلباء، مزدور، آجروں، تاجروں کلرک، پائلٹ، انجینئر، عربی اسلامیات کے اساتذہ وغیرہ وغیرہ کی لاکھوں انجمنیں اور NGO'S خودرو پودوں کے جنگل کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

یہ NGO'S اور اجتماعتیں ہی ہر فرد کو شناخت دیتی اور اس کے مسائل حل کرتی ہیں اسی لیے سول سوسائٹی میں فرد کی شناخت اس کے پیشے اور سماجی مرتبے status سے ہوتی ہے وزیٹنگ کارڈ اسی شناخت کی علامت ہے۔ سول سوسائٹی میں جب بھی لوگ ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ آپ کیا کرتے ہیں یعنی آپ کے کام، پیشے سے آپ کے سماجی مرتبے کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔۔ سول سوسائٹی میں کسی فرد کی کوئی شناخت مستقل نہیں ہوتی مسلسل بدلتی رہتی ہے لہٰذا وہ جوانی سے لے کر موت تک ایک اجتماعیت سے دوسری اجتماعیت میں یعنی ایک ایسوسی ایشن اور NGO سے دوسری ایسوسی ایشن یا دوسری NGO میں منتقل ہو کر اپنے حقوق کا تحفظ کرتا رہتا ہے مثلاً طالب علم ہے تو طلباء کی انجمن میں اپنے لیے مطالبات کر رہا ہوگا،

استاد بن جائے تو استاد کے مفاد کے لیے کام کر رہا ہوگا اور طلباء کی انجمن کے خلاف ہوگا اگر تعلیمی ادارے کے انتظامی عہدے پر فائز ہوجائے وائس چانسلر، رجسٹرار بن جائے تو یہی شخص جو کل طالب علم کے طور پر طلباء کی نمائندگی اور استاد کے طور پر اساتذہ کے مطالبات کی حمایت کرتا تھا۔ اب ان دونوں اجتماعیتوں کے خلاف ہوگا اور انتظامی عہدہ دار کی حیثیت سے اپنا کام کرے گا اب یہ انتظامیہ کے مفادات کے حق میں اور طلباء و اساتذہ کے مفادات کے خلاف فیصلے کرے گا۔ ایک ہی شخص سول سوسائٹی میں تین مختلف چہرے بنالیتا ہے ریٹائر ہوجائے تو پنشنرز کی انجمن میں ، بوڑھوں کی انجمن میں شامل ہوجائے گا اس کی شناخت بدلتی رہے گی اس شناخت کا اصل مقصد اپنے مفادات کا اس طرح حصول کہ دوسروں کہ مفادات متاثر نہ ہوں اس کے مفاد بھی حاصل ہوتے رہیں لہٰذا ہر فرد محض ایک مطالباتی ، احتجاجی ، حاسد، حریص، لالچی، مفاد پرست، فرد ہوتا ہے جو ہر وقت اپنے مفادات فوائد اور مالی مراعات کے لیے متحرک ہوتا ہے اس کی زندگی کا اصل مقصد end in itself مادی سہولتوں آسائشوں کا مسلسل اور مستقل حصول رہ جاتا ہے جس کے نتیجے میں ایثار، قربانی، محبت روحانیت کی تمام قدریں ختم ہوجاتی ہیں۔

انسانی حقوق کے منشور کے ذریعے ایسے ہی فرد، ایسے ہی معاشرے اور ایسے ہی مزاج کو فروغ دیا جاتا ہے یہ حقوق کی سیاست کی ثقافت ہے Politics of Rights& Culture of Rights اس کے نتیجے میں ایک فرد صرف اور صرف ایک مادی وجود Metrial being بن جاتا ہے اس کا نفس مادہ پرستی کا اسیر ہوتا ہے اس کا روحانیت، روحانی اخلاقیات، رشتوں، ناطوں، سے کوئی تعلق نہیں رہتا فرد صرف اپنے جسم کے معبد میں اپنی ہی پرستش [Self Worship] کرتا ہے۔ لہٰذا ایسا معاشرہ صرف اور صرف خراج معاشرہ Consumer Society ہوتا ہے جہاں فطرت، کائنات، انسان، رشتوں، تعلقات کو صرف اور صرف مادی استعمال Commodification کے نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ہر رشتہ تعلق محض ایک شے commodity بن جاتا ہے اور ہر چیز بس استعمال، مادی فائدے اور کسی دنیاوی مقصد کے لیے ہوتی ہے ۔ رشتوں کا احترام تکریم محبت مورت مروت کے جذبات ختم ہوجاتے ہیں لہٰذا ماں باپ بہن بھائی سب رشتے صرف اشیائے ضرورت میں تبدیل ہوجاتے ہیں جب تک ان کی ضرورت ہوتی ہے سول معاہدے Civil Contract کے تحت یہ رشتے

باقی رہتے ہیں ضرورت ختم ہوتے ہی یہ رشتے ٹوٹ جاتے ہیں لہٰذا مغرب میں بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو ماں باپ کے ساتھ رہتا ہے بالغ ہوتے ہی الگ ہوجاتا ہے۔ ماں باپ بوڑھے ہوتے ہی اولڈ ہوم میں چلے جاتے ہیں کیوں کہ کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہوتا اس کے نتیجے میں پھینکنے والی ثقافت Disposable Culture پیدا ہوتا ہے جس شے کی Comodity کی ضرورت نہیں ہے اسے پھینک دیا جاتا ہے جس طرح بے کار اشیاء کوڑا کرکٹ پھینک دیا جاتا ہے لہٰذا معاشرہ انفرادیت پسندی آزادی عیاشی (individualism, freedom, hedonism) کے ذریعے تمام روحانی ,اخلاقی ,خونی ,معاشرتی رشتوں کو ختم کردیتا ہے۔ اس کے برعکس روایتی اجتماعیتوں میں ایک فرد بچہ ہوتا ہے پھر وہ باپ بن جاتا ہے پھر دادا نانا کسی کا ماموں کسی کا بھانجا کسی کا چچا کسی کا بھتیجا لیکن ہر صورت اور ہر حالت میں وہ اپنی اجتماعیت سے کبھی الگ نہیں ہوسکتا۔ یہی معاملہ عورت کا بھی ہے عورت اور مرد اپنی جڑ کے ساتھ جڑے رہتے ہیں اور گھنے تناور درخت کی طرح ان کے رشتوں تعلقات کی شاخیں اور شاختیں آسمان کی جانب پھیلتی رہتی ہیں۔

معیار زندگی میں مسلسل و مستقل اضافہ مغرب کا عقیدہ ہے

معیار زندگی کے اس عقیدے کو اب مذہبی جواز بھی عطا کر دیا گیا

آپ کے علاقے میں لوگ شکر سے محروم ہوں آپ کو پرواہ نہیں ہوگی آپ شکر وہاں بیچیں گے جہاں اس کی سب سے زیادہ قیمت ملے گی حتی کہ آپ اپنے دشمن ملک ہندوستان کو بھی شکر بیچ دیں گے کیوں کہ وہاں منافع زیادہ ہے سرمایہ کی ایک ہی اخلاقیات ہوتی ہے کہ سرمایہ میں مستقل مسلسل لامتناہی اضافہ ہوتا رہے لہٰذا کسی قسم کی اخلاقیات اقدار کا سوال باقی ہی نہیں رہتا یہی رویہ سرمایے کی غلامی [Slavery of Capital] ہے۔ سرمایہ دارانہ ریاست بھی یہی کام کرتی ہے لہٰذا ہندوستان میں جہاں جہاں شکر کے کارخانے لگے وہاں کاشت کاروں کو جبراً گڑ بنانے سے روک دیا گیا تاکہ کارخانوں کو گنا مل سکے کین کمشنر یہی کام کرتا ہے ریاستی جبر کے بغیر صنعت بھی نہیں چل سکتی اس سلسلے میں Development Dictionary کا مطالعہ کیجیے۔

معیار زندگی میں مستقل اور مسلسل اضافے کو عالم اسلام میں بھی ایک مذہبی قدر کے طور پر قبول کر لیا گیا ہے۔ اس باطل مغربی عقیدے کی جو بہت پر کشش ہے مذہبی تاویلیں دی جا رہی ہیں کہ اسلام نے ترقی سے منع کب کیا ہاں تحدیدات ہوسکتی ہیں اس میں ہرج کیا ہے؟ زمانہ بدل

گیا ہے ترقی کرلیں مگر بگڑیں نہیں یہ کہنے والے بھول جاتے ہیں کہ دو تصورات خیر ایک ساتھ کبھی نہیں پنپ سکتے۔ جس طرح آخرت اور دنیا کبھی برابر نہیں ہوسکتے لہٰذا آخرت کو دنیا پر ترجیح دی جائے گی اور دنیا کا ہر کام اس اصول پر ہوگا کہ اس سے آخرت بہتر ہورہی ہے یا نہیں بالکل اسی طرح ترقی، آزادی، سرمایہ میں اضافہ جب خود قدر بن جائیں End it themselves ہوجائیں تو مذہب، دین، قدر، روایت ختم ہوجائیں گے۔ حیرت ہے کہ جدید اکنامکس اس محدود دنیا میں لامحدود ترقی کا خواب دکھا رہی ہے اور جدید ریاست اس کو ہدف کے طور پر قبول کررہی ہے K Bouding کا عجیب مقولہ ہے Anyone who believes growth can be infinite in a finite world is either a mad man or an Economist

دنیا کی کسی تہذیب میں خراچ معاشرہ [Consumer society] نہیں تھی

دنیا کے ہر ملک کا ہر فرد صرف اور صرف صبح و رات اپنے سرمایہ میں اضافہ کررہا ہے اپنے معیار زندگی کو مستقل و مسلسل بلند کررہا ہے جس کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت وہ مارکیٹ کو دیتا ہے لہٰذا گھر میں انسان موجود نہیں ہے وہ گھر صرف سونے کے لیے آتا ہے وہ بس ایک صارف Consumer ہے جو چیزیں خرید کر گھر میں جمع کرتا ہے۔ اور پھر انھیں پھینک کر نئی چیزیں خریدتا رہتا ہے اس کے پاس خریدی ہوئی چیزوں کو استعمال کرنے کا وقت بہت کم ہے مغربی ممالک میں تو وقت بالکل نہیں ہے عورت مرد لڑکا لڑکی سب سرمایہ کمارہے ہیں اس کے باوجود کسی کے اخراجات پورے نہیں ہوتے ہر ایک شاکی ہے کیونکہ خواہشات بہت زیادہ اور دولت کم ہے۔ یہ خواہشات بھی فطری حقیقی واقعی نہیں ہیں یہ اشتہارات۔ اطلاعات میڈیا کے جبر انفارمیشن ٹکنالوجی کے زور پر پیدا کی جاتی ہیں جس سے مارکیٹ سوسائٹی اور کنزیومر سوسائٹی جنم لیتی Delusion of Economics کا مصنف بتاتا ہے کہ دنیا میں اشتہارات کا سالانہ بجٹ ۵۰۰ بلین ڈالر ہے (p.145 Zed Books London) یہی اشتہارات خواہشات، خوابوں کی دنیا تعمیر کرکے سرمایہ داری کے عمل کو تیز تر کردیتے ہیں۔ مائیکل سانڈل نے اپنی کتاب What money cant buy میں مارکیٹ سوسائٹی کا عجیب نقشہ کھینچا ہے مگر اتنا بڑا فلسفی اس کا حل یہ پیش کرتا ہے کہ ہماری معیشت تو مارکیٹ [Market Economy] ہو لیکن

ہماری معاشرت مارکیٹ کی اخلاقیات سے بالکل الگ ہو۔

علم دین، درآمدات، برآمدات اور سرمایہ میں اضافہ کے کام نہیں آسکتا

ریاست، علماء اور مدارس کی سرپرستی کیوں نہیں کرتی؟

یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص صبح سے لے کر رات تک مارکیٹ کے اخلاقی اصولوں کے تحت ایک ذلیل گمراہ خبیث زندگی گزارے اور جیسے ہی اپنے گھر میں آئے تو مارکیٹ اخلاقیات کو ترک کرکے نہایت شریف بن جائے نئی بیویاں نہ ڈھونڈے پرانے ماں باپ اور رشتوں پر اکتفا کرے معاش کے طریقے انسان کی اخلاقیات پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی لیے حرام معاش سے کبھی حلال معاشرہ حلال رشتے جنم نہیں لے سکتے۔ سرمایہ دارانہ معاشرے میں Choices بڑھ جاتی ہیں مگر بھوک بھی بڑھ جاتی ہے۔ Choices بڑھنے سے لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں کا معیار زندگی بلند ہوجاتا ہے لیکن یہ تاریخی جھوٹ ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشروں کا معیار زندگی غیر سرمایہ دارانہ معاشروں یعنی روایتی، مذہبی معاشروں سے بہتر نہیں ہوتا۔ وہاں غلہ، خوراک، اجناس کی پیداوار بہت ہوتی ہے مگر یہ صرف مقدار quantity میں بہت ہوتی ہے، معیار quality میں نہایت بدترین ہوتی ہے۔ GMF جینیاتی طور پر تیار کردہ یہ خوراک صرف دیکھنے میں خوبصورت مگر ذائقے، لذت، اجزائے ترکیبی، توانائی میں بالکل بدمزہ، بے کار اور ناکارہ ہوتی ہے لہذا مغرب میں قدرتی اشیاء کی الگ دکانیں (Natural Food Stores) ہوتی ہیں جہاں قدرتی غذائیں بہت مہنگے داموں ملتی ہیں۔ عام آدمی انہیں خرید نہیں سکتا۔ مغرب میں پھلوں، پھولوں کی بے شمار قسمیں ملیں گی لیکن نہ ان کا کوئی ذائقہ ہوگا نہ خوشبو، نہ لذت۔۔۔ اسی لئے روایتی معاشروں پاکستان، ہندوستان وغیرہ کے گوشت، پھل، اناج مغرب اور پوری دنیا میں نہایت ذوق وشوق سے خریدے جاتے ہیں۔ یہ کیسی ترقی ہے کہ ترقی کرنے والوں کو خالص، خوش ذائقہ، فرحت بخش، لذت والی غذائیں، خوراک، اناج، غلہ، سبزیاں اور خوشبو والے پھول تک میسر نہیں ہیں۔ انسانوں کو ترقی کے نام پر اللہ کی عطا کردہ تمام نعمتوں سے محروم کردیا گیا ہے مگر انسان اس محرومی پر خوش ہے۔ اسے اس محرومی کا اندازہ نہیں۔ مغرب میں تمام مہلک بیماریوں کا سبب یہ GMF خوراک ہے، یہ خوراک ایک مرتبہ پک جائے تو اسے رکھا نہیں جاسکتا، یہ فوراً خراب ہوجاتی ہے لہذا خوراک بہت بڑے پیمانے پر مغرب میں ضائع ہو

جاتی ہے۔

مغرب کی نقالی میں، مغرب کے بتائے ہوئے طریقوں کو اختیار کرنے کا انجام پاکستان میں بڑھتی ہوئی غربت ہے ۱۹۷۰ء تک پاکستانی امیر لوگ تھے۔ خوراک، دودھ، پھل، غلہ سب لوگوں کو میسر تھا مگر زرعی صنعت سے صنعتی ترقی اور سروس سیکٹر و برآمدات کے شعبوں میں جانے کے بعد اب ایک عام پاکستانی نہ گوشت خرید سکتا ہے نہ پھل کھا سکتا ہے نہ دودھ پی سکتا ہے لیکن موبائل ٹی وی فریج خرید سکتا ہے جس میں صرف پانی کی بوتلیں ٹھنڈی ہوتی رہتی ہیں اسے امید ہے کہ ایک دن دوسری بوتلیں بھی آجائیں گی۔ جدید تعلیم اور جدید ترقی کے نتیجے میں پاکستان جو گوشت اور دودھ میں امیر ترین ملک ہے اس کے لوگ نہ گوشت کھا سکتے ہیں نہ دودھ پی سکتے ہیں البتہ موبائل فون پر دودھ کے گلاس گائے کے تھن وغیرہ دیکھ سکتے ہیں اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہو سکتے ہیں دودھ گوشت یہ برآمد Export ہو جاتا ہے اسی کے بدلے میں تو درآمد [Import] ہو کر موبائل TV اور فریج ملتا ہے، بھوک کی قیمت پر ہم مغرب کے موبائل فون خریدتے ہیں۔ ایک ایسا معاشرہ اور تہذیب جہاں ہر شے صرف اور صرف سرمایے (capital) میں اضافے کے پیمانے پر پرکھی جائے کیوں کہ اصل چیز ترقی ہے۔ ترقی سے قوت ملتی ہے۔ ترقی ہی مقصود ہے اور ترقی ہی اصل الخیر ہے جو ترقی نہ کر سکے وہ جاہل ہے۔ تو ظاہر ہے ایسے معاشرے ایسی ریاست ایسی مارکیٹ میں علم دین اور اس دین کے عالم کی کیا قدر و قیمت متعین ہوگی۔ جب قدر Value کا تعین صرف مادی، مالی، اقتصادی، معاشی، جسمانی، طبعی ہو اور ہر قدر صرف اور صرف قدر تبادلہ Exchange Value سے ہی معین [determin] ہوتی ہے تو علم دین کے ذریعے کیا خریدا اور کیا بیچا جا سکتا ہے؟ کیا درآمدات برآمدات ہو سکتی ہیں؟ ظاہر ہے کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا ایسے علم اور ایسے علم کی جدید ریاست میں کوئی اہمیت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ جو درآمد برآمد [Export/Import] نہ ہو سکے۔ جو علم فروخت نہ ہو سکے جس کی عالمی مارکیٹ میں طلب نہ ہو جس علم کے ذریعے دولت، قوت، سرمایہ میں لامتناہی اضافہ کیا نہ جا سکے لہٰذا ایسا علم۔ علم نہیں جہالت سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے ریاست، حکومت کوئی علم دین کی سرپرستی نہیں کرتے اس کی جگہ سائنس کا علم لے لیتا ہے لہٰذا ریاست پہلی جماعت سے سائنس کی تعلیم لازمی کر دیتی ہے سرکاری اسکولوں میں اس کی مفت تعلیم دی جاتی ہے اس کے لیے اساتذہ بھرتی کیے جاتے ہیں

سائنس کے اساتذہ کی تنخواہیں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ بچے کو بچپن سے علت و معلول کا اصول پڑھا کر اسے دین کا مخفی دشمن بنا دیا جاتا ہے جو اس تعلیم کے باعث یہ منطقی سوال پوچھتا ہے کہ کہ علت اولیٰ (ultimate cause/first cause) بغیر علت کے خود بخود کیسے پیدا ہو گئی؟ عقلیت پرستی اور منطقی ذہنیت کا انجام یہی ہے جب ہر شے کو پرکھنے سمجھنے کا پیمانہ ماڈرن ازم کی تقلید میں عقلیت ہو تو عقل خود حجاب بن جاتی ہے پوسٹ ماڈرن ازم نے عقلیت کی محدودیت کو عقل ہی سے ثابت کر دیا مگر پوسٹ ماڈرن ازم نے عقلیت کی آفاقی اقدار کا انکار کرنے کے ساتھ ساتھ ہر الحق کا بھی انکار کر دیا یعنی مغرب کے ہر شر کو رد کرنے کے بعد وہ خود سب سے بڑے شر میں مبتلا ہو گئے انہوں نے Mega Narratives ہی مسترد کر دیے۔ اور کہہ دیا کہ الحق کچھ نہیں ہوتا بس زندگی کو جمالیات، تخلیقی تخیل، افادہ پرستی کے فلسفوں کے تحت بسر کیا جائے۔ پوسٹ ماڈرن مفکر فوکالٹ، لیوٹارڈ، رچرڈ رارٹی وغیرہ بدترین منکرین حق ہیں۔ یہ جدیدیت، ماڈرن ازم کے منکر ہیں مگر یہ ماڈرن ازم سے زیادہ خطرناک مفکرین ہیں۔

دینی علوم کے علماء کی عزت ہمارے معاشرے میں

کراچی کے بہت سے اعلیٰ سیکولر انگریزی اسکولوں میں اور اعلیٰ مذہبی انگریزی اسکولوں میں اسلامیات اردو اور مطالعہ پاکستان کے اساتذہ کی تنخواہیں بہت کم ہوتی ہیں سب سے زیادہ تنخواہیں انگریزی، سائنس اور ریاضی کے اساتذہ کی ہوتی ہیں۔

ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کے بعض نجی اسکولوں میں اسلامیات اردو کے اساتذہ کو اچھوت سمجھ کر ان کا کمرہ [Staff Room] دوسرے مضامین کے اساتذہ کے کمرے سے بالکل الگ کر دیا جاتا ہے دو مختلف سطحوں کے اساتذہ کے اسٹاف روم بھی الگ ہوتے ہیں یہ اسلامی ریاست میں اسلام اردو اور مطالعہ پاکستان کے اساتذہ کی اسلامی اسکولوں میں عزت ہے۔ جس علم کی عزت اس طرح ہوگی طلباء اس عالم اور اس علم کے اساتذہ کی کتنی عزت کریں گے۔

یہی حال ہمارے گھروں اور معاشرے میں دینی تعلیم قرآن کے اساتذہ کا ہے۔ سب سے کم تنخواہ سب سے اعلیٰ ترین کتاب القرآن مجید کے استاد کو دی جاتی ہے پانچ سو یا ہزار روپے بس اکیسویں صدی میں ہم قرآن کے استاد کو اس سے زیادہ تنخواہ دینا پسند نہیں کرتے اور پوچھتے

ہیں کہ اسلام دنیا میں سر بلند کیوں نہیں ہے؟ اگر گھر میں دعوت ہو۔مہمان ہوں۔تو قرآن کے استاد کو چھٹی دے دی جاتی ہے کہ مولوی صاحب آج ہم مصروف ہیں مگر انگریزی اور سائنس کا استاد آجائے تو اسے چھٹی نہیں دی جاتی قرآن کا سبق غیر اہم ہے انگریزی سائنس کا سبق سب سے اہم ہے اس رویے کے بعد اگر نوجوان نسل سیکولر بن رہی ہے تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟۔یعنی جو علم سرمایہ نہ پیدا کرسکے وہ علم نہیں لہٰذا مغرب میں سائنس دانوں کو کم معاوضہ ملتا ہے کھلاڑی، رنڈی، فلم اسٹار، سٹے باز کو اربوں روپے ملتے ہیں۔

عالم دین یونیورسٹی میں ملازمت کیوں پسند نہیں کرتا؟

ہمارے ایک نہایت محترم دوست عالم دین جو کئی زبانیں جانتے ہیں اور مفتی بھی ہیں مفتی صابر صاحب۔وہ ایک مرتبہ راقم کے ذاتی کام کے سلسلے میں بلوچستان یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر اقبال خٹک کے پاس تشریف لے گئے جو راقم کے دوست بھی ہیں اور وہاں سنڈیکیٹ کے رکن اور انجمن اساتذہ کے عہدے دار بھی ہیں خٹک صاحب ہمارے دوست عالم دین سے بہت متاثر ہوئے اور انھیں پیش کش کی کہ آپ بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ میں اسسٹنٹ پروفیسر کا عہدہ قبول کرلیں آپ کل سے کام پر آجائیں۔

خٹک صاحب نے شیخ الجامعہ سے بات بھی کرلی وہ بھی اتنے فاضل شخص کو فوری ملازمت دینے پر آمادہ ہوگئے لیکن مفتی صابر صاحب نے انکار کردیا اور ان کی پیش کش کو مسترد کردیا مفتی صاحب کی مدرسے میں تنخواہ صرف دس ہزار روپے ہے ان کے اوقات کار بارہ گھنٹے ہیں اس کے گھر والوں کی تعداد دس ہے۔دس ہزار روپے میں دس گھر والوں کو پالنے والے مفتی صاحب نے ستر ہزار روپے کی ملازمت، مستقبل کی ترقی، بہترین رہائش گاہ، سہولیات، مراعات، پنشن گریجویٹی علاج معالجہ سب کچھ چھوڑ دیا خٹک صاحب نے آخر میں زچ ہوکر پوچھا مفتی صاحب صرف یہ بتادیجیے کہ اس میں کیا ہرج ہے مفتی صاحب نے فرمایا میں مفتی مولوی عالم ہوں میں اپنے مدرسے میں دین کا علم دیتا ہوں آپ کے مخلوط تعلیمی ادارے میں کس طرح پڑھا سکتا ہوں۔اگر یہ مخلوط نہ ہو تب بھی یہاں ایم اے کے لیے آنے والے طلباء نہ عربی جانتے ہیں نہ فارسی وہ تو صرف ڈگری کے لیے آتے ہیں ان کو پڑھا کر اپنا قیمتی وقت کیوں ضائع کروں مدرسے میں تو طلباء علم کی خاطر آتے ہیں۔جدید تعلیمی اداروں سے علماء کے فاصلے اسی لیے زیادہ ہیں۔دس

ہزار روپے کے مشاہرے پر جس شخص کو اکیسویں صدی کے پاکستان میں نفس مطمئنہ حاصل ہے اس سے بڑا ولی صوفی، درویش کون ہوسکتا ہے لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں معاشرے میں اہل اللہ نظر ہی نہیں آتے حالانکہ اہل اللہ ہر مسجد ہر مدرسے میں موجود ہیں ان کو دیکھنے اور پانے کے لیے اللہ والوں کی آنکھ بھی تو چاہیے جدید تعلیم میڈیا، چکا چوند نے ہمیں اس آنکھ اس نظر اور اس نقطۂ نظر سے بھی محروم کردیا ہے۔

کسی قوم پر اللہ کا عذاب صرف آسمانوں سے ہی نہیں آتا مختلف طریقوں سے بھی آتا ہے عذاب الٰہی کی بدترین شکل یہ ہے کہ کوئی قوم محرومی فکر صحیح کے مرض میں مبتلا ہوجائے المیہ ہے کہ یہ امت فکر صحیح سے محروم ہورہی ہے اس لیے علماء کی قدر و منزلت کم ہورہی ہے۔

جدید ریاست صرف سائنسی علم کی سرپرستی کرتی ہے

جدید ریاست صرف اور صرف سائنس اور سرمایہ کی سرپرستی کرتی ہے فیرا بینڈ نے اپنی معرکہ آراء کتاب Against Method میں لکھا ہے کہ ماضی میں مغربی ریاست جس طرح کلیسا کی سرپرستی کرتی تھی اب وہ سائنس کی سرپرستی کرتی ہے ریاست سائنس کی سرپرستی ترک کردے وہ لکھتا ہے کہ تجربہ گاہوں [Labs] میں سفید کپڑوں میں ملبوس سائنس داں عصر حاضر کے سائنسی معبد کے راہب ہیں۔ظاہر ہے ان کی پرستش احترام تکریم اسی طرح کی جاتی ہے جس طرح ایک زمانے میں راہبوں کی۔کی جاتی تھی وہ لکھتا ہے کہ سائنس اور افریقہ کے کالے جادو Voodoo میں کوئی فرق نہیں۔

سائنس کے کالے جادو پر زندگی و موت کا انحصار ہے: غامدی

شاید اسی لیے ہمارے غامدی صاحب نے سائنس کے کالے جادو کے سلسلے میں اسلامی تاریخ کا پہلا منفرد اجتہاد یہ کیا ہے کہ

''دنیا عالم اسباب ہے یہ اسباب سائنسی علوم میں انسانی مہارت سے پیدا ہوتے ہیں انسان کی تاریخ گواہی دیتی ہے کہ عروج و زوال تو ایک طرف اس کے مرنے اور جینے کا انحصار بھی بیش تر انھی علوم میں مہارت پر رہا ہے'': غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۷۲ حیرت ہے کہ یہ بات اللہ اور اللہ کے رسولوں کو سمجھ میں نہیں آئی کہ انسانوں کی زندگی اور موت سائنس پر منحصر ہے قرآن

نے بھی اتنے اہم معاملے میں امت کی رہنمائی نہیں کی حیرت ہے کہ کوئی پیغمبر کوئی صحابی کوئی عالم سائنس دان نہیں تھا تاریخ سائنس میں کسی پیغمبر کی کوئی ایجاد موجود نہیں ہے انبیاء کی امتیں سائنس کے بغیر ہی زندگی موت کے مرحلوں سے بخیر وخوبی گزر گئیں دینی مدارس میں کبھی سائنسی مضامین کی تعلیم اس طرح نہیں ہوئی جس طرح یونیورسٹیوں میں ہوتی ہے۔تو کیا یہ امت ضلالت و جہالت پر تھی ؟ یا میرے محترم غامدی صاحب ضلالت پر ہیں؟۔ حدیث ہے کہ میری امت کا اجماع کبھی ضلالت پر نہیں ہوسکتا غامدی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس حدیث کی روشنی میں پوری امت کسی ضلالت پر جمع ہوجائے یہ ناممکن ہے: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۶۱

اس کا مطلب یہ ہے کہ امت ہمیشہ ہدایت پر رہی ہے البتہ میرے محترم غامدی صاحب اپنے اصولوں کے مطابق صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہیں امت ہدایت پر ہے وہ ہدایت کی راہ چھوڑ چکے ہیں امت صحیح ہے ان کا طرز عمل عقیدہ تحقیق صحیح نہیں۔کاش کہ وہ اپنے اصول پر خود عمل کر لیتے کہ پوری امت کسی ضلالت پر جمع نہیں ہوسکتی لہٰذا وہ امت کے اجماع کے مطابق اپنا فکر اور عمل درست کر لیتے کیونکہ انہی کا اصول یہ بھی ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد سے انحراف نہیں کرسکتا اس پر عمل مجتہد کے لیے ضروری ہے یہ انحراف اللہ سے خیانت ہے : غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۶۶، حیرت ہے کہ غامدی صاحب کے لیے خود ان کے اپنے تخلیق کردہ اصول بھی حجت نہیں ہیں جو صاحب اپنے اصولوں کی تقلید نہیں کرتے وہ اس امت کے اجماعی اصولوں کی تقلید کیسے کرسکتے ہیں؟

امتوں کے زوال کا سبب سائنسی انحطاط نہیں صرف ان کے گناہ ہیں

غامدی صاحب جو قرآن کو قطعی الدلالہ تسلیم کرتے ہیں اسے حجت، میزان، فرقان ، برہان قرار دیتے ہیں (میزان ۲۰۱۵ پہلا باب مقامات ۲۰۱۴ کے قطعی الدلالہ علم کی بنیاد قطعی اور ظنی ، عام اور خاص مضامین میں یہ موقف تفصیل سے موجود ہے) جب یہ لکھتے ہیں کہ عروج وزوال تو ایک طرف انسانوں کے جینے ومرنے کا انحصار بھی سائنسی علوم میں مہارت پر ہی پر رہا ہے۔مقامات ۲۰۱۴ ص ۱۷۲ تو ان کا یہ بیان قرآن کے قانون عروج وزوال کی مکمل تردید کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جگہ جگہ امتوں ،قوموں کے زوال کا صرف اور صرف ایک ہی

سبب بتایا ہے وہ ان کے گناہ ہیں قرآن کی کسی ایک آیت میں بھی زندگی ،موت،عروج وزوال کو سائنسی علوم سے مشروط نہیں کیا گیا ہے۔زوال کا سبب گناہوں میں ڈوبنا تھا فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ [۱۱:۱۱۶] زوال کا سبب فسق و فجور کی فراوانی عروج کا سبب نیکی ۔ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا [۱۷:۱۶] وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ [۱۱:۱۱۷] زوال کا سبب اعمال بد ہی ہوتے ہیں وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًام بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ [۹:۱۱۵] زوال گناہوں کی وجہ سے آتا ہے اللہ امتوں کو ان کے گناہوں پر پکڑ لیتا ہے كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ [۳:۱۱] ترجمہ: آل فرعون اور ان سے پہلے کے دوسروں نے اللہ کی آیات کو ماننے سے انکار کیا اور اللہ نے ان کے گناہوں پر انہیں پکڑ لیا (الانفال ۸:۵۲) سب سے بڑا گناہ اللہ اور اسکے رسول کا انکار ہے اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ [۹:۷۰]، وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ [۱۰:۱۳]، قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ [۱۶:۲۶]، وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ [۱۶:۳۶]، ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ [۲۳:۴۴] تکبر عذاب کا سبب بنا وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ [۲۳:۷۶]، رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا [۷۱:۲۵] حیرت ہے کہ غامدی صاحب نے قرآن

کی ان آیات کو فراموش کر کے عروج و زوال کا سائنسی فلسفہ پیش کر دیا۔ سر سید، افغانی وغیرہ سے لے کر غامدی تک یہی فلسفہ ہے کہ زوال کا سبب سائنسی ترقی میں پیچھے رہ جانا ہے جبکہ روم و ایران سائنسی ترقی میں مسلمانوں سے بہت آگے تھے اور منگول، عباسی سلطنت کے بیت الحکمت اور سائنسی ترقی سے بالکل واقف نہیں تھے مگر انہوں نے سائنسی ترقی والوں کو شکست دے دی۔ فرعون کے پاس جو سائنس تھی وہ حضرت موسیٰ کے پاس نہ تھی ۔ عاد و ثمود کے پاس جو سائنس تھی وہ انبیاء کے پاس نہ تھی بے سروسامانی ہی ان کا سروسامان تھا۔

سائنس اور سائنٹفک میتھڈ کسے کہتے ہیں؟

غامدی صاحب اور ان کے حلقے کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ سائنس اور سائنٹفک میتھڈ کیا ہوتا ہے ان کی معلومات کے لیے اس کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

It is a widely held view that science is basically an inductive empirical method for obtaining knowledge.
Simply stated, the scientific method is one way of going about the business of acquiring knowledge. A definite sequence of procedures is followed in order to find specific kinds of answers to specific kinds of questions. Scientific method, can be described in the following six steps:

a. Awareness and definition of a problem.
b. Observation and collection of relevant data.
c. Organization or classification of data.
d. Formulation of hypotheses.
e. Deductions from the hypotheses
f. Testing and verification of the hypotheses

[STANLEY M. HONER., Invitation to philosophy issues and options Wadsworth company USA 1992 Sixth edition p. 60,61

جو علم ان چھ منازل مراحل کے مطابق ہو اسے سائنسی علم کہا جا سکتا ہے لہٰذا مذہبی علمیت اس معیار پر

پورا نہیں اترتی لہٰذا مذہب سائنسی علم نہیں ہے۔

سائنسی علم کیا ہے؟ گیارہ آسان اصول

عام قارئین کے لیے سائنسی طریقۂ علم کو ہم اور آسان طریقے سے پیش کر دیتے ہیں:

(۱) سائنسی علم وہ ہے جو ظنی قیاسی Probable ہوتا ہے۔ (۲) سائنسی علم قطعی، حتمی Absolute نہیں ہوتا۔ (۳) سائنسی علم میں شک [Doubt] کیا جا سکتا ہے۔ (۴) سائنسی علم کی تردید [Refute] کی جا سکتی ہے۔ (۵) سائنسی علم اصول تردیت [Falcification] کے ذریعے آگے بڑھتا ہے۔ (۶) سائنس کا کوئی اصول قاعدہ حتمی قطعی نہیں ہے وہ فی الحال صرف اس لیے قبول کیا گیا ہے کہ ابھی تک اس اصول کو سائنسی طریقے پر رد نہیں کیا جا سکا یا اس سے بہتر اصول متعارف نہیں ہو سکا۔ (۷) سائنسی علم کو ثابت ہو جانے کے باوجود علم ماننا ضروری نہیں ہے۔ (۸) سائنسی علم جس طریقے سے کوئی شخص حاصل کرتا ہے وہ علم ہر جگہ ہر شخص اسی طریقے سے حاصل کر سکتا ہے اگر یہ علم کسی فرد کے ساتھ مخصوص ہے تو یہ سائنسی علم نہیں علم عام ہونا چاہیے ہر شخص کے لیے بالکل اسی طریقے سے اس کا حصول ممکن ہو۔ (۹) سائنسی علم کو ریاضی کی زبان میں بیان کیا جا سکتا ہو۔ (۱۰) سائنسی علم اصول کو ہر وقت مسترد کیا جا سکتا ہو اس کے مقابلے پر کوئی بھی نیا اصول قاعدہ متعارف کرایا جا سکتا ہو لیکن اس استرداد کا بھی ایک خاص طریقہ ہے اس کی تفصیلات کے لیے Noami Oreskes کی کتاب The Collaps of Western civilization اور Merchant of s Doubt کا مطالعہ مفید رہے گا۔ (۱۱) سائنسی علم ہمیشہ ارتقاء پذیر رہتا ہے اس کا کوئی اصول قاعدہ کلیہ حجت قطعی نہیں ہے ظاہر ہے ان اصولوں کی روشنی میں مذہبی علم کبھی سائنسی نہیں کہلا سکتا۔

ہمارے دعوے کی دلیل یہ ہے کہ انیسویں صدی کے سب سے بڑے سائنس دان آئن اسٹائن نے ایک سائنسی نظریہ دیا تھا کہ روشنی کی رفتار مستقل ہے اس دعوے کو اب سو سال بعد بڑے سائنس دانوں نے چیلنج کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس نظریے کے تحت آئن اسٹائن کا کہنا تھا کہ خلا میں روشنی کی رفتار وہی ہو گی جو کسی دوسری حالت میں ہو گی لیکن سائنس دانوں کی جانب سے پیش کیے جانے والے نئے نظریے میں بتایا گیا ہے کہ روشنی کی رفتار تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ یہ

نئی تحقیق فزیکل ریویو نامی جریدے میں شائع ہوئی ہے۔ آئن اسٹائن کا دعویٰ تھا کہ روشنی کی رفتار یکساں ہے اور روشنی کی رفتار سے تیز سفر کرنا ناممکن ہے کیونکہ یہ فزکس کے قوانین کا رد ہوگا اس وقت روشنی کی رفتار ۲۹ کروڑ ۹۷ لاکھ ۹۲ ہزار ۴۵۸ میٹر فی سیکنڈ بتائی گئی تھی کئی برسوں تک آئن اسٹائن کے نظریے کو کئی سائنسی کامیابیوں کی بنیاد سمجھا گیا تھا لیکن لندن کے امپیریل کالج کے سائنسدان ژاؤ میکیجو نے اب آئن اسٹائن کے نظریے کو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چیلنج کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ [جنگ، کراچی ۲۹ نومبر ۲۰۱۶] سائنس اسی طرح ارتقاء پذیر رہتی ہے لہٰذا سائنس کا کوئی بھی اصول حتمی نہیں ہے۔

سائنسی علم میں یا تو مشاہدہ observation کر کے کسی فرضیے Hypothesis پر پہنچا جاتا ہے یا پہلے کوئی اصول فرض کر کے یعنی کوئی فرضیہ Hypothesis قائم کر کے اس کی روشنی میں مشاہدات کئے جاتے ہیں دوسرے معنوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مشاہدے کا مقصد ہی مشاہدے کے نتیجے کا تعین (The purpose of observation determins the result of the observation) کرتا ہے۔ لہٰذا مقصد انتہائی اہم ہے۔ یونانی فلاسفہ نے کائنات، اجرام فلکی، ستاروں، سیاروں کا مشاہدہ کیا تو علم افلاک کے بارے میں نئی معلومات مہیا کیں کیونکہ مشاہدہ کا مقصد متعین تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس کائنات کے آثار و آیات سورج، ستارے، چاند کا مشاہدہ کیا تو انہیں اس میں اللہ تعالیٰ کے وجود کا ظہور ملا۔۔۔ مقصد نے نتیجے کا تعین کیا یعنی نتیجہ پہلے سے طے ہے اور مشاہدہ بعد میں ہے جب کہ سائنس میں فرضیے کے ساتھ مشاہدے یا بغیر فرضیے کے مشاہدے کی روشنی میں جو بھی نتیجہ آئے وہ عموماً قبول کیا جاتا ہے ظاہر ہے مذہب میں تفکر اور تدبر کا یہ طریقہ کبھی اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

مثلاً اگر قرآن کی آیات پر تدبر و تفکر کے ذریعے کوئی شخص سائنسی اصولوں کی روشنی میں اس کائنات کا مشاہدہ کرے اور خدا اسے نظر نہ آئے تو سائنس اسے یہ اجازت دیتی ہے کہ وہ کہہ دے کہ مجھے کچھ نظر نہیں آیا یا ناظر کہہ سکتا ہے کہ یہ مشاہدہ ہی احمقانہ ہے۔ لیکن قرآن جس تدبر تفکر کی دعوت دے رہا ہے وہ سائنسی نہیں وہ خالق کا مخلوق کے لئے طے شدہ طریقہ کار ہے اسی لئے یہ سائنسی نہیں ہے کیونکہ اس مشاہدے میں خدا نے طے کر دیا ہے کہ مشاہدے، مطالعے، تجربے، تفکر و تعلق، غور وخوص کے بعد لازماً تمہیں خدا پر ایمان لانا چاہیے۔

قرآن میں آثار و آیات کائنات پر تدبر و تفکر کی جتنی آیتیں ہیں ان پر غور و فکر کے بعد کیا نتیجہ برآمد ہونا چاہیے وہ نتیجہ قرآن نے پہلے سے طے کر دیا ہے کہ اس مشاہدے کے نتیجے میں تم لازماً اللہ کو پا لو گے اور اگر تم اللہ کو نہیں پا سکے تو تم جاہل، گمراہ، جنگلی گدھے، بدترین جانور، شر الدواب اور عقل سے محروم وجود ہو یعنی عاقل اور انسان وہ ہے جو خدا کو پالے۔۔۔ سائنٹفک میتھڈ کے اصولوں کے تحت طے شدہ نتیجے کی روشنی میں مشاہدہ سائنسی مشاہدہ نہیں کہلاتا لہٰذا ہمارے جدیدیت پسند جو بار بار آثار کائنات پر تدبر کی آیات سے قرآن کی روشنی میں سائنس کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ نہایت غلط استدلال ہے۔ مشاہدہ کائنات انسان کی فطرت ہے وہ مشاہدہ کرتا رہے مگر اس کا اصل مقصد خالق کائنات کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنا ہے۔ یہ نتیجہ حاصل نہ ہو تو اس مشاہدے کی قرآن کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں مشاہدے کا اصل مقصود صرف اور صرف اللہ کے وجود کا احساس ہے اگر اس کا کوئی ذیلی ضمنی فائدہ بھی حاصل ہو تو شریعت کو اس پر اعتراض نہیں ہے۔

غامدی صاحب ہمارے شاگرد رشید جناب ظفر اقبال صاحب کی دو کتابوں (۱) اسلام اور جدید سائنس نئے تناظر میں (۲) اسلام اور جدیدیت کی کشمکش۔ کا مطالعہ فرمالیں تو سائنس، جدیدیت، مغربیت، جمہوریت پر جدید تحقیقات و مطالعات کا خوبصورت انتخاب ان کے لیے فائدہ مند ہوگا اور انھیں یہ معلوم ہو سکے گا کہ ٹی وی کے پروگراموں میں بیٹھ کر ہر اہم مسئلے پر دو منٹ میں تبصرہ کرنا اور مقامات میں ایک دو صفحات کے اندر دنیا کے ہر موضوع پر عامیانہ تبصرے محققانہ اور ناقدانہ شان سے کر دینا اہل علم کا کام نہیں ہے ہم نہایت افسوس سے لکھ رہے ہیں کہ سائنس، مغرب، جمہوریت، قانون، جدید ریاست، پارلیمنٹ کے بارے میں غامدی صاحب کے تمام خیالات عامیانہ اور خطابت کے سوا کچھ نہیں علمی دنیا میں ان افکار کی کوئی حیثیت نہیں۔ انھوں نے ان عنوانات پر بنیادی کتابوں کا مطالعہ تک نہیں کیا ہے۔

سائنس سے متعلق تین اہم مضامین

مولانا وحید الدین خان کے گمراہ کن سائنسی افکار پر ہمارے دو مضامین برہان میں شائع ہوئے تھے۔ برہان میں ہی جناب سمیع اللہ سعدی کے نام ایک طویل خط فیس بک اور

سائنس پر شائع ہوا اور برہان ہی میں جناب عبدالرشید کے سوالات کے جواب میں سائنس اور سائنسی مطالعات کیسے کیے جائیں اس سے متعلق ہمارا ایک اہم مضمون شائع ہوا اگر ان تمام مضامین کا مطالعہ کرلیا جائے تو جدید سائنس کے بارے میں بعض نہایت اہم مباحث اور بے شمار نئی کتابوں کے حوالے سامنے آسکتے ہیں۔

ان مضامین میں پیش کیے گئے مباحث ہمارے شاگرد رشید جناب ظفر اقبال صاحب کی کتاب اسلام اور جدید سائنس نئے تناظر میں کے مباحث سے بالکل مختلف ہیں ان مضامین کے حوالہ جات، ان مضامین کی کتابیات [Biblography] بھی ظفر اقبال صاحب کی کتاب سے بالکل مختلف ہے۔کوئی صاحب اگر ان مضامین کی نقول ہمیں بھی مہیا کر دیں تو ہم ان کے ممنون ہوں گے۔

ان مضامین کو سامنے رکھ کر اگر کوئی اہل علم علماء کے لیے جدید سائنس کیا ہے اور جدید سائنس کا مطالعہ کیسے کیا جائے ایک مضمون مرتب کر دیں تو علماء کے لیے بے شمار حوالے میسر ہوں گے اس مضمون میں حوالہ جاتی کتب کا مختصر تعارف اور تبصرہ بھی شامل کر دیا جائے تو یہ مضمون علماء اور مدارس کے طلباء کو جدید سائنس، ٹیکنو سائنس، سائنٹفک امپیریل ازم اور سائنسٹزم [Techno Science/ Scientific Imperialism/ Scienctism] کے مباحث کے لیے انشاءاللہ مفید رہے گا۔

مسلمانوں کے دور زوال میں بیت الحکمت کی باز یافت

مسلمانوں کو بیت الحکمت تاتاری یلغار سے کیوں نہ بچا سکا

علوم مذہبی کو Islamic Sciences لکھ دینے سے یہ سائنسی علم نہیں بن جاتے آج کل دینی مذہبی لوگ ہر چیز کے ساتھ سائنس کا سابقہ لاحقہ لگا دیتے ہیں سوال یہ ہے کہ کسی مغربی یوروپی امریکی نے اپنے کسی علم کے ساتھ اس علم کی عزت بڑھانے کے لیے دینی، مذہب، یا پیغمبر کا سابقہ یا لاحقہ لگایا ہے۔کسی نے یہ بتایا کہ یہ سائنس فلاں پیغمبر سے ملی ہے فلاں ولی اللہ نے ہمیں سائنس کا یہ اصول بتایا کبھی کسی نے کہا کہ ہمارے یہاں بھی پیغمبر صحابہ درویش ہوتے تھے ہماری تاریخ میں یہ سب موجود ہے یہ مسلمان ہی ہیں جو بتاتے ہیں کہ ہمارے پاس بھی بڑے بڑے سائنس داں تھے حالانکہ جن سائنس دانوں کا نام وہ لیتے ہیں ان کو ان کے زمانے

میں کوئی نہیں جانتا تھا نہ ان کی کوئی عزت تھی سوال یہ ہے کہ ہم اسلام سے مرعوب ہیں یا مغرب سے؟۔ہم صحابہ اور انبیاء سے متاثر ہیں یا مغرب کے گھٹیا سائنس دانوں سے وائل حلاق نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے دور غلامی میں استعماری قوموں کے زیر اثر اپنے ماضی کے اس حصے کی باز یافت کا عمل شروع ہوا جو مغرب کے علوم جدیدہ سے ہم آہنگ ہوسکتا تھا یہ کام بھی مستشرقین نے ہی شروع کیا انہوں نے ہی مسلمانوں کو بیت الحکمت کی عظمت سے انیسویں صدی میں روشناس کرایا اس تعارف کا مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ اے مسلمانوں جب تم نے اپنے دور عروج میں یونانی سائنس فلسفے منطق سے بھر پور استفادہ کیا تو اب تم اپنے دور زوال میں مغرب کی سائنس اس کے علوم عقلیہ کو اختیار کرنے میں کیوں پس وپیش کر رہے ہو۔

یہ حلاق کا نقطۂ نظر ہے اس بارے میں ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مغرب کے یہ مستشرقین بھول گئے کہ جس بیت الحکمت سے سائنس کے فوارے پھوٹے تھے وہ سائنس۔فلسفہ وہ علم و حکمت، جزو افروزی۔وہ ترجمے کا فن عباسی خلافت کو تاتاریوں کی یلغار سے کیوں نہیں بچا سکا ان کو اسلام نے ہی حیات نو بخشی جب تاتاری مسلمان ہو گئے۔حالی نے مسدس حالی میں مسلمانوں کا کارنامہ یہی بتایا ہے کہ انہوں نے یونان کے علوم کو زندہ کیا یعنی امت مسلمہ کا مقصد یہی کار خیر تھا۔علی گڑھ میں سرسید کی استعمار پسند جدیدیت کو علماء نے مسترد کر دیا تھا مگر یہی جدیدیت جب حالی کی شاعری کے رنگ میں ظاہر ہوئی تو سرسید کے فکری مخالف مولانا ماجد دریا آبادی اور علامہ سید سلیمان ندوی بھی اس جدیدیت کو سمجھنے سے قاصر رہے اور انہوں نے مسدس پر دیباچے و مقدمات لکھ کر جدیدیت اور مغربیت کو علماء کے لئے قابل قبول بنا دیا۔مسدس نے علماء کے حلقوں میں سرسید کی استعماری جدیدیت کے لئے نرم راستہ کیسے پیدا کیا یہ تحقیق کا اہم ترین موضوع ہے۔

سب سے زیادہ سائنسی ترقی مسلمانوں نے اندلس میں کی مگر اس کا انجام یہ ہے کہ ان کی ترقی کے تمام آثار یا عمارتیں باقی ہیں مگر وہاں ایک مسلمان بھی باقی نہیں ہے مسجد سے اذان کی آواز تک بلند نہیں ہوتی ناقوس کی آواز گونجتی ہے اللہ نے اپنی سنت کے ذریعے بتایا کہ اگر مسلمان بھی عاد وثمود اور فرعون کی طرح دنیاوی ترقی کریں گے وہی تہذیب وتمدن اختیار کریں گے تو ان کی عمارتیں آثار عبرت کے طور پر محفوظ رکھی جائیں گی مگر ان کو فنا کر دیا جائے گا فرعون سے لے کر اندلس تک اللہ کی سنت یہی ہے انبیاء نے کبھی عاد وثمود فرعون کی کفار کی سائنس

یا ان کے طرز تعمیر کو اختیار نہیں کیا بلکہ ان کی عمارتوں میں قیام تک نہیں کیا آج کے جدیدیت پسند مسلمان [Modren Muslims] ہوتے تو (۱) خذ ما صفا دع ما کدر (۲) اس میں کیا ہرج ہے؟ (۳) اسلام نے عسر نہیں یسر کا حکم دیا ہے۔(۴) رفع ہرج،(۵) دفع مضرت،(۶) بلوۂ عام،(۷) زمانے کے عرف کا بدلنا،(۸) تغیر زمان و مکان سے تغیر احکام (۹) جلب منفعت (۱۰) شریعت نے کب منع کیا؟ کے مسلمہ اسلامی اصولوں کے غلط اطلاق، ان کے سیاق و سباق سے بے پروا ہو کر انہی سنہری اور قیمتی و بے مثال اصولوں سے ان سب ممنوعات کا منطقی جواز ثابت کر دیتے۔

کفار کی کون سی سائنس کو سیکھا جائے کفار کا کونسا علم حاصل کیا جائے یہ بھی العلم اور سنت رسول اللہ ہی بتائے گی ہمارے اور آپ کے پسندیدہ اصول نہیں۔ اسلامی علمیت کے مسلمہ متفقہ مشترکہ اسلامی اصولوں کا بالکل غلط اطلاق کر کے ان کو سیاق و سباق سے کاٹ کر شریعت کو اپنے سانچے میں ڈھال کر مغرب سے ہم آہنگ کر لینا اصلاً دین کی تشکیل جدید اور تعمیر نو [Reconstruction] اور دوسرے معنوں میں یہ تجدد ہی ہے۔ غامدی صاحب اسی تجدد کے مارٹن لوتھر ہیں۔

سائنس کا علم نہایت غیر مطلق غیر قطعی ناقابل اعتبار علم ہے

سائنسی پروجیکٹ کے خوبصورت افسانے کھربوں روپے میں

عالم اسلام میں بلاوجہ سائنس سے بہت زیادہ مرعوبیت ہے اس سائنس کی حقیقت کو اس صدی کے ایک اہم ترین سائنسدان اور فلسفہ سائنس کے فلسفی لے کاٹوس نے نہایت مختصر مثال سے مبرہن کر دیا ہے۔

لے کاٹوس نے سائنس کے ٹھوس ہونے کی حقیقت کو درج ذیل مثال سے غلط ثابت کیا ہے اور سائنس دانوں کے کلامی دلائل کا احاطہ کیا ہے، یہ عجیب وغریب مثال پڑھیے:

The story is about an imaginary case of planetary misbehaviour. A. physicist of the pre Einstenian era takes Newton's mechanics and his law of gravitation, N, the accepted initial conditions, I, and calculates, with their help, the path of a newly discovered small planet,

p, But the planet deviates from the calculated path. Does our Newtonian physicist consider that the deviation was forbidden by Newton's theory and therefore that, once established, it refutes the theory N? No. He suggests that there must be a hitherto unknown planet p', which perturbs the path of p. He calculates the mass, orbit, etc. of this hypothetical planet and then asks an experimental astronomer to test his hypothesis. The planet p' is so small that even the biggest available telescopes cannot possibly observe it; the experimental astronomer applies for a research grant to build yet a bigger one. In three years time, the new telescope is ready. Were the unknown planet p' to be discovered, it would be hailed as a new victory of Newtonian science. But it is not. Does our scientist abandon Newton's theory and his idea of the perturbing planet? No. He suggests that a cloud of cosmic dust hides the planet from us. He calculates the location and properties of this cloud and asks for a research grant to send up a satellite to test his calculations. Were the satellite's instruments (possibly new ones, based on a little-tested theory) to record the existence of the conjectural cloud, the result would be hailed as an outstanding, victory for Newtonian science. But the cloud is not found. Does our scientist abandon Newton's theory, together with the idea of the perturbing planet and the idea of the cloud which hides it'? No. He suggests that there is some magnetic field in that region of the universe which disturbed the instruments of the satellite. A new satellite is sent up. Were the magnetic field to be found,

Newtonians would celebrate a sensational victory. But it is not. Is this regarded as a refutation of Newtonian science? No. Either yet another ingenious auxiliary hypothesis is proposed or the whole story is buried in the dusty volumes of periodicals and the story never mentioned again. Falsification & methodology of scientific research" [*1.* Imre Lakatos & A Musgrave[ed.], *Falsification & the Methodology of Scientific Research Programmes in Criticism and the Growth of Knowledge,* Cambridge: Cambridge University Press, 1974, p.100-101.]

ترجمہ: ’’ایک سائنس داں کسی سیارے کے مدار کے بارے میں نیوٹن کے نظریۂ کشش ثقل کے تحت مطالعہ کرنا چاہتا ہے۔فرض کریں کہ اس سیارے کے مشاہدہ کرنے پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نظریے کے بتائے ہوئے مدار پر سفر نہیں کررہا۔کیا وہ اس سے یہ نتیجہ نکالے گا کہ نیوٹن کا نظریہ کشش ثقل غلط ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ یہ کہے گا اس سیارے کے نزدیک اب کوئی نامعلوم سیارہ موجود ہوگا جس کی کشش کی وجہ سے زیر مطالعہ سیارہ اپنے مدار سے ہٹ کر سفر کررہا ہے۔ چنانچہ وہ اس نامعلوم سیارے کے وزن، حجم اور مدار کے بارے میں حساب وتخمینہ لگاتا ہے اور پھر اپنے ساتھی سائنس دانوں کو اس نامعلوم سیارے کے مشاہدہ کا کام سپرد کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ نامعلوم سیارہ اتنا چھوٹا ہو کہ اب تک کی طاقتور ترین دوربین کی مدد سے بھی نہ دیکھا جاسکتا ہو۔ لہٰذا وہ سائنس دان حکومت سے ریسرچ کی مد میں فنڈ مانگتے ہیں تا کہ ایک بڑی اور طاقتور دوربین تیار کی جاسکے۔ لگ بھگ تین برس کے عرصے میں ایک نئی دوربین تیار کرلی جاتی ہے۔ اگر تو اس دوربین کی مدد سے وہ نامعلوم سیارہ نظر آجائے تو سائنس دان خوشیاں منائیں گے کہ نیوٹن کے نظریے کی ایک بار پھر تصدیق ہوگئی۔ فرض کریں وہ نامعلوم سیارہ دوربین میں دکھائی نہیں دیتا۔ کیا سائنس دان اسے نیوٹن کے نظریے کی شکست تسلیم کرلیں گے؟ نہیں بلکہ وہ کہیں گے کہ دراصل ایک فضائی بادل [cloud of cosmic dust] نے اس نامعلوم سیارے کو ڈھانپ رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ سیارہ ہمیں نظر نہیں آیا۔ چنانچہ سائنس دان مزید ریسرچ فنڈ مانگتے ہیں تا کہ ایک خلائی

شٹل بادل کے مشاہدے کے لیے بھیجی جاسکے۔ اگر خلائی شٹل کسی ایسے بادل کی نشاندہی کردے تو اسے نیوٹن کے نظریے کی زبردست کامیابی قرار دیا جائے گا۔ لیکن فرض کریں وہ بادل بھی نہ پایا جائے کیا اب سائنس دان نیوٹن کے نظریۂ کششِ ثقل بشمول اپنے خیالات کہ ایک نامعلوم سیارہ ہے یا یہ کہ ایک فضائی بادل ہے کی تردید کردیں گے؟ نہیں بلکہ اب وہ کہیں گے کہ کائنات کے اس حصے میں کوئی مقناطیسی قوت [Magnetic Field] ہے جس نے سٹیلائٹ کے آلات کو صحیح کام نہیں کرنے دیا ہوگا جس کی وجہ سے وہ بادل دریافت نہ ہوسکا۔ چنانچہ ایک نئی قسم کی خلائی شٹل تیار کر کے فضا میں بھیجی جاتی ہے۔ اگر وہ مقناطیسی قوت وہاں مل جائے تو نیوٹن کے مداح سائنس دانوں کی خوشی کی انتہا نہ ہوگی۔ لیکن فرض کریں ایسا نہ ہوسکے۔ کیا اب وہ نیوٹن کے نظریے کی شکست تسلیم کرلیں گے؟ نہیں بلکہ وہ ایک نیا اضافی مفروضہ تراشیں گے.......... یہاں تک کہ یہ سالوں پر محیط کہانی تحقیقی رسالوں کی اقساط میں دب کر گم ہوجاتی ہے اور پھر کبھی بیان نہیں کی جاتی‘‘۔

اس مثال کے بیان سے مقصود یہ بتانا ہے کہ تجربات کی روشنی میں کسی سائنسی نظریے کی حتمی تصدیق یا حتمی تردید کا دعویٰ بھی ایک غلط دعویٰ ہے۔ سائنس میں کچھ حتمی نہیں بس یہ کام چلاتی اور کام کرتی ہے It works اس لیے ہم کو اچھی لگتی ہے۔

جدید سائنس کی اصل حقیقت کیا ہے؟

مغرب میں سائنسی استعمار نے جو شکل اختیار کی ہے وہ Seientism ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی سوال کا سب سے بہترین جواب صرف سائنس ہی دے سکتی ہے فلسفہ سائنس کا اہم مفکر John Dupre اپنی کتاب Human nature and limits of science میں لکھتا ہے Scientism is the idea that only question that can be answered but all can best be answered by seience.[P.2, Oxford Press New York 2001, First Edition]

جدید سائنس نے جدید ذہن کو استعمار کی طرح کالونائز کردیا ہے جدید ذہن اور اب بعض مذہبی اذہان بھی یہ سمجھنے لگے ہیں کہ سائنس ہر درد کی دوا، ہر دکھ کا مداوا، ہر سوال کا جواب، ہر

مشکل کا حل ہر گتھی اور ہر الجھن کی سلجھن ہے حالانکہ فلسفہ سائنس کا اصول یہ ہے کہ ہر وہ نظریہ جو ہر سوال کا جواب دے دیتا ہے حقیقتاً کسی سوال کا جواب دینے کے بھی لائق نہیں ہوتا سائنس کی اصلیت حقیقت حیثیت ماہیت یہی ہے Dupre اس اصول کے بارے میں لکھتا ہے And as is a familier truism in the philosophy of science a theory which can explain any thing explain nothing آج کل اسی سائنس کے پیمانے پر قرآن وسنت اور ارشادات نبویؐ کو ثابت کیا جا رہا ہے یہ المیہ ہے۔

عہد جدید کا مذہب سائنس ہی ہے

کانٹ کے بعد عقلیت وتجربیت ہی علم کا پیمانہ بن گئے لہٰذا ماڈرن اور پوسٹ ماڈرن ازم کا زمانہ دراصل سائنس ہی کا زمانہ ہے۔ سائنس عہد جدید کا مذہب ہے اور اس مذہب کی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ کامل حتمی قطعی علم نہیں ہے یہ بہت سے اہم ترین سوالات کا جواب دینے کی اہل ہی نہیں ہے یہ فطرت اور انسانی رویوں کے بارے میں ہماری رہنمائی کرنے سے قاصر ہے سائنس جس قسم کی رہنمائی مہیا کرتی ہے وہ کلی [Total] نہیں جزوی [Partial] غیر قطعی ناقص ہے وہ جزو کے بھی جزو [Partial of a part] کے بارے میں بتاتی ہے وہ کلیت فطرت [Matrix of Nature] کے بارے میں کچھ نہیں جان سکتی وہ wholistic نہیں ہے نہ ہی فطرت کے جزو کو کلیت میں دیکھتی ہے نہ دیکھ سکتی ہے اس کے جزوی علم کو کلی قطعی حتمی سمجھنا نادانی کے سوا کچھ نہیں سائنس کا طریقہ کار Inductive ہے وہ چند سو چند ہزار تجزیوں اور لوگوں سے حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر جزو Part یعنی نامکمل جزو کی بنیاد پر حاصل معلومات کی روشنی میں کل Whole پر حکم لگا دیتی ہے یعنی تجربہ خاص [Particular] ہوتا ہے لیکن نتیجہ عام [General] اخذ کر لیا جاتا ہے یعنی چند تجربات کی بنیاد پر کلی نتائج اخذ کیے جاتے ہیں جیسے Kinsey Report جس نے چھ ہزار مردوں کے جنسی رویوں کا جائزہ لے کر تمام انسانوں کی جنسی عادات کو حتمی طور پر متعین کر دیا۔

فلسفہ سائنس کا مفکر Dupre لکھتا ہے:

Science it is often said is the religion of our era. Where once we expected priests to give us insight into the

nature of the cosmos and of human existence, now we look rather to men, and sometimes women, in white lab coats.Where once public expenditure in the service of deeper truth might have taken the form of mighty cathedrals, today it will be found in cyclotrons and gene- sequencers. The paralles between religion in the medieval period and science today are brilliantly explored by Feyerabend (1978)I shall argue that science as it has traditionally been conceived has serious limitations in its ability to answer some of the most profound questions we are given to ask and, more specifically, to answer questions about the nature and causes of human behaviour. [Dupre ibid p.4]

مسلم سائنس زدگان کے لیے انکشافات

مغربی سائنس داں بھی سائنس نہیں جانتے

سائنس کیا ہے اس بارے میں Dupre نے جو مشاہدات مطالعات پیش کیے ہیں وہ حیران کن ہیں اور مسلم سائنس زدگان کے لیے روشنی کے نئے دریچے کھولتے ہیں وہ لکھتا ہے

The distinguished twentieth-century philosopher of science Imre Lakatos once remarked that scientists typically understand science about as well as fish understand hydrodynamics (1978:62,n.2) . It is difficult to judge whether this jibe can fairly be applied to Levitt as he makes almost no effort to explain what he thinks science is; Indeed it might be that his view of science is best captured by American Supreme Court Justice Potter Stewart's immortal reflection on his failure to define obsenity: "I know it when I see it;" He quotes with approval a remark by the geneticist Steven Jones; "all

[scientists] use a shared grammar that allows them to recognize their craft when they see it "(cited in Levitt 1999: 14) One might immediately wonder whether this doesn't beg the question who is to count as a scientist and therefore to be capable of this infallible recognitioin, though in theory we could imagine a closed set of people all of whom recognized every other member f the set and no one else as being real scientists. [ibid p.113, 114]

فلسفے کے چھ اہم مکاتب فکر اور غامدی صاحب

جس طرح جدید سائنس کے کئی مکاتب فکر ہیں بالکل اسی طرح فلسفے کے بھی بے شمار مکاتب فکر ہیں ان میں سے چند اہم مکاتب فکر چھ ہیں مثلاً: (۱) Malerialism، (۲) Idealism، (۳) Metaphysical Dualism، (۴) Critical، (۵) Naturalism، Existentialism، (۶) The Anti Metaphysical Posture ان تمام مناہج کے اصول مبادیات، عقائد، ایمانیات، مابعد الطبیعیات سب الگ ہیں ان کا تصور حقیقت، تصور نفس، تصور کائنات، تصور معاشرت، تصور جمالیات سب ان کی مابعد الطبیعیاتی اساسات سے وجود پذیر ہوتا ہے۔

غامدی صاحب صرف سائنس جمہوریت جدید ریاست سے ہی نہیں جدید مغربی فلسفے سے بالکل ناواقف ہیں اور بلاوجہ ماڈرن ازم، پوسٹ ماڈرن ازم اور کانٹ وغیرہ سے اسلام اور روحانیت ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں جدید فلسفے کے بڑے فلاسفہ Gottfried Johann Gottfried، Immanuel Kant، Wilhelm , Leibniz Georg Wilhelm Friedrich، Friedrich Schlegel، Herder، Hegel، Karl Marx، Friedrich Nietzsche وغیرہ سے کتنا اسلام نکالا جا سکتا ہے اس کے لیے Ian Almond کی کتاب History of Islam in German Thought: From Leibniz to Nietzsche کا مطالعہ بے حد مفید رہے گا نطشے

اسلام کے بارے میں بہت سرگرمی سے جاننا چاہتا تھا لیکن کانٹ تو اسلام کا شدید دشمن تھا۔ لہٰذا ماڈرن ازم اور پوسٹ ماڈرن فلسفے سے اسلام نکالنا ایک لایعنی کام ہے۔ ڈاکٹر پرویز ہود بھائی، جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال، طاہر القادری، راشد شاذ، وحید الدین خان، ڈاکٹر شمس الرحمان فاروقی، اصغر علی انجینئر، مراد ہوف مین، ایران کے ڈاکٹر علی شریعتی، ایران کے مارٹن لوتھر عبدالکریم سروش، حسن البناء کے نواسے ڈاکٹر طارق رمضان، حمزہ یوسف، یاسر قاضی وغیرہ مغرب کے فلسفے سے اسی قسم کے نتائج غامدی صاحب کی طرح برآمد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

جدید سائنس کے مطالعے کے لیے اہم کتابیں

غامدی صاحب سائنس کے حوالے سے چند کتابیں پڑھ لیں تو ان کی مغرب سے بلاوجہ سائنسی مرعوبیت خود ہی رفع ہو جائے گی

Adward tenner.,Why things bite back
Thomas S. Kuhn.,The Structure of Scienific Revolution
Cloud Alvirs., Science colonialism and violence
Alex Rosenberg., The Philosophy of Science
Zaheen Babar., The Science of Impire

سائنس سے متعلق بعض اہم کتابوں کی فہرست اگلے صفحات میں پیش کی جا رہی ہے ان کا مطالعہ بھی مفید رہے گا۔

لوگ عبادت کریں یا نہ کریں یہ ریاست کا مسئلہ نہیں ہے

جن ممالک میں علماء کو اچھے معاوضے ملتے ہیں جلد یا بدیر وہ بھی ختم ہو جائیں گے ان ملکوں میں سرمایہ داری جمہوریت اور لبرل ازم پوری طرح جڑ نہیں پکڑ سکے رفتہ رفتہ وہاں بھی جمہوریت آئے گی تو علماء کی عزت ختم ہو جائے گی۔ جدید لبرل سیکولر سرمایہ دار ریاست۔ مذہب کو فرد کا ذاتی معاملہ سمجھتی ہے اسے مساجد مدارس کی تعمیر، ان کی تزئین آرائش، اخراجات سے کوئی دلچسپی نہیں لوگ عبادت کرنا چاہتے ہیں تو کریں مسجد کھلی رکھیں یا بند کرنا چاہیں تو بند کر دیں۔ ریاست کے لیے یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے مدرسہ مسجد رہے یا نہ رہے یہ عوام کا ذاتی مسئلہ تو ہو سکتا ہے ریاست کا اس سے تعلق نہیں عبادت نیک اعمال ذاتی مسئلہ ہے قومی ملی مسئلہ نہیں لوگوں کو نیک بنانا ریاست کا کام نہیں لوگ جنت میں جائیں یا جہنم میں ان کی مرضی بس وہ اسکول ضرور جائیں۔

ریاست اس کے لیے لازمی تعلیم کا قانون بنا سکتی ہے بناتی ہے نافذ بھی کرتی ہے کئی ملکوں میں الیکشن میں ووٹ دینا بھی لازمی ہے لیکن کسی ملک میں عبادت کرنا لازمی نہیں ہے۔صبح سویرے بچے کو مار پیٹ کر تھپڑ، جوتے، مکے، لاتیں، گھونسے، ٹھڈے مار کر اسکول بھیجنا عین آزادی Freedom ہے اسے کوئی جبر نہیں کہتا کیوں کہ یہ آزادی کا جبر [Tyrrany of Freedom] ہے اور چونکہ آزادی ہمارا عقیدہ ایمان ہے لہٰذا عقیدے کا جبر [Compulsion of Faith] جبر نہیں ہوتا اسی جبر سے آزادی ملتی ہے اس جبر کے خلاف دنیا میں کوئی قانون نہیں کوئی NGO اس جبر ظلم پر احتجاج نہیں کرتی کیوں کہ یہ۔سرمایہ دارانہ معاشرے مارکیٹ اور ماڈرن ازم کا جبر ہے NGOs سرمایہ دارانہ نظام کی ایجنٹ ہیں اگر کہیں بچوں کو صبح مار پیٹ کر مسجد بھیجا جا رہا ہوتا تو میڈیا یا NGOs ہنگامہ کر دیں گے یہ مذہب کا جبر [Compulsion of Religion] ہے یہ قبول نہیں آزادی کا جبر [Tyrrany of Freedom] کیوں کہ قبول ہے کیوں کہ آزادی عقیدہ ایمان ہے اور ایمان عقیدے سے متعلق کوئی سزا، سختی، ظلم محسوس نہیں ہوتا یہ عقیدے کی قیمت ہوتی ہے۔عصر حاضر کا عقیدہ اصلاً آزادی ہی ہے۔

لوگ جنت جہنم جہاں مرضی جائیں یہ ریاست کا مسئلہ نہیں

معاملہ صرف یہی نہیں ہے کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ پاکستان میں ٹرینیں نماز کے اوقات میں رک جائیں اور لوگ نماز پڑھ لیں ٹرانسپورٹ اذان پر رک جائے۔ہوائی جہاز نماز کے اوقات کا خیال رکھ کر پرواز شروع کریں۔اے لیول، او لیول کے امتحانات ہوں تو اس میں نماز کا وقفہ رکھا جائے۔ظاہر ہے کبھی نہیں کیوں کہ اس سے سرمایہ دارانہ عمل متاثر ہوگا ترقی متاثر ہوگی نماز پڑھو نہ پڑھو۔تمہاری مرضی ریاست کا اس سے کیا تعلق جان لاک نے اپنے خط Letter of Tolerance میں یہی لکھا تھا کہ مجسٹریٹ، حکومت، بادشاہ کا کام یہ نہیں کہ وہ بتائے کہ لوگ کہاں جائیں جنت یا جہنم۔جب خدا نے اپنے بندوں کو خود آزادی دی کہ وہ جہاں چاہے جائیں جنت یا جہنم تو کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں پر کوئی مذہبی جبر مسلط کرے یعنی عوام جنت میں جائیں یا جہنم میں یہ ریاست کا مسئلہ نہیں کیوں کہ لبرل ازم، انسانی حقوق کے منہاج [Human Rights Discourse] میں جنت جہنم کچھ نہیں ہوتے یہ صرف لوگوں کے واہمے ہیں مغرب ارسطو کی اتباع میں ابدیت دنیا [Eternity of world] کے عقیدے پر

ایمان رکھتا ہے۔لہٰذا اسی دنیا کو بس جنت بنانا چاہتا ہے۔

تمام جدید ریاستوں کی ترقی صرف قرضے کی بنیاد پر ہے

امریکہ دنیا کا سب سے بڑا مقروض ترین ملک ہے

جدید ریاست کی مقننہ کا اصل کام لوگوں کے مادی افادے میں مسلسل و مستقل اضافہ ہے لہٰذا ریاست صرف ترقی کو اپنا مقصد قرار دیتی ہے جو سائنس، سرمایہ، قرضے اور سود کے بغیر ناممکن ہے ترقی کے تمام اسلامی ماڈل بھی قرضے کے بغیر ترقی کا کوئی افق دیکھنے سے قاصر ہیں ٹمپا یونیورسٹی میں محترم پروفیسر خورشید احمد صاحب اور اسلامی علوم فقہ، کلام، معاملات، اسلامی تاریخ کے بیس مغربی ماہرین کے مابین جو مکالمہ ہوا اور اردو انگریزی میں IPS اسلام آباد سے شائع ہو چکا ہے اس میں خورشید صاحب جیسے جلیل القدر ماہر اسلامی معاشیات نے بھی اعتراف کیا ہے کہ قرضے کے بغیر وہ ملک نہیں چلا سکتے۔

جدید معیشت کے اہداف اور اس کے حصول کے طریقے بھی مغرب نے ہی دیے ہیں دنیا کی ہر ریاست مقروض ہے جو سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے وہ سب سے زیادہ مقروض ہے امریکہ چین جاپان برطانیہ جرمنی دنیا کے مقروض ترین ممالک ہیں نائیل فرگوسن نے اپنی کتاب The Great Degeneration How Institutions Decay and Economies Die کے پہلے باب The Human Hive میں لکھا ہے کہ

According to IMF the gross public and Private debts of the total debts of USA , Japan etc approaching at the highest levell in history

The private Debt together with the government debts, the burdens have no precedent in history: Japan 512 per cent of GDP, Britain 507 per cent, France 346 per cent, Italy 314 per cent, the United States 279 per cent, Germany 278 per cent.

The heart of the matter is the way public debt allows the current generation of voters to live at the

expense of those as yet too young or as yet unborn. In this regard the statistics commonly cited as government debt are themselves deeply misleading, for they encompass only the sums owed by governments in the form of bonds. The rapidly rising quantity of these bonds certainly implies a growing charge on those in employment, now and in the future, since-even if the current low rates of interest enjoyed by the biggest sovereign borrowers persist- the amount of money needed to service the debt must inexorably rise. But the official debts in the form of bonds do not include the often far larger unfunded liabilities of welfare schemes like-to give the biggest American programmes Medicare, Medicaid and Social Security.

The Best available estimate for the difference between the net present value of federal government liabilities and the net present value of future federal revenues is $200 trillion, nearly thirteen times the debt as stated by the US Treasury. Notice that these figures too are incomplete since they omit the unfunded liabilities of state and local governments, which are estimated to be around $38 strillion. These mind boggling numbers represent nothing less than a vast claim by the generation currently retired or about to retire on their children and grandchildren, who are obliged by current law to find the money n the future, by submitting either to substantial increases in taxation or to drastic cuts in other forms of Public expenditure.

To illustrate the magnitude of the American problem the economist Laurence Kotlikoff calculates

that to eliminate the federal government's fiscal gap would require an immediate 64 per cent increse in all federal taxes or an immediate 40 per cent cut in all federal expenditures.

When Kotlikoff compiled his 'generational accounts' for the United Kingdom more than a decade ago he estimatede (on what proved to be the correct assumption that the then government would increase welfare and healthcare spending) that there would need to be a 31 per cent increase in income tax revenues and a 46 per cent increase in national insurance revenues to close the fiscal gap.

Society is indeed a contract... the state... is ... a partnership not only between those who are living but between those who are living those who are dead and those who are to be born.

In the enoprmous inter generational transfers implied by current fiscal policies we see a shocking and perhaps un paralleled breach of precisely that partnership.[Nial Ferguson ., The Great Degeneration 2012 Penguin Books UK P. 40, 41, 42, 43]

مغرب کی طرح مشرق کا چین بھی مقروض ہے

ترقی، قرضے، سود، آلودگی، خودکشی لازم وملزوم ہیں

یہ تو مغرب کے کھربوں قرضوں کا حال تھا مشرق کی سب سے عظیم معیشت چین کا حال اس سے بھی بدتر ہے۔ مارچ ۲۰۱۶ء تک چین کے اندرونی اور بیرونی قرضوں کا حجم ۲۵ ٹریلین ڈالر ہے قرضوں کی یہ شرح دوسرے ممالک کی معیشت کے مقابلے میں چین کی سالانہ آمدنی کے تناظر میں بہت زیادہ ہے قرضوں کے حصول کی شرح بہت تیز رفتار ہے۔ اور مالیاتی اصولوں کی آخری حدود کو بھی پار کرچکی ہے۔ [Financial times London 16

Oct 2016]

اب چین ترقی میں امریکہ سے آگے ہے اور آلودگی میں بھی امریکہ سے آگے ہے اور خودکشی کی شرح میں بھی امریکہ کو پیچھے چھوڑ چکا ہے اس سے پہلے یہ تینوں اعزازات صرف امریکہ کو حاصل تھے۔ پہلے آلودگی پھیلانے میں امریکہ کا حصہ چھبیس فی صد تھا اب چین کا حصہ چھبیس فی صد ہے امریکہ کا صرف چوبیس فی صد دنیا کی امامت اسے حاصل ہوگی جو آلودگی ترقی میں آگے ہے لہٰذا ترقی کی رفتار کیسے روکی جاسکتی ہے خواہ دنیا تباہ ہوجائے۔

ترقی ،قرضے ،آلودگی ،خودکشی ان سب کا چولی دامن کا ساتھ ہے پاکستان چین اور امریکہ کے مقابلے میں جدید مغرب کی جدید تعریف غربت کے مطابق۔ بہت غریب ہے یہاں کچھ بھی نہیں ہے لیکن یہاں خودکشی کی شرح صفر ہے آخر کیوں؟ مذہب اور غربت میں تقدیر پر ایمان۔ یعنی سکون۔ نفس مطمئنہ اور امریکہ اور چین جیسی عظیم ترقی کے بعد نفس غیر مطمئنہ یعنی خودکشی۔

آزادی کا نتیجہ: پاگل، مجرم ذہنی مریض، خودکشی کرنے والے، بیمار

حصول آزادی: مارکیٹ، حکومت، فلنتھر اپی اور مافیا معیشت کے ذرائع

بلاشبہ دنیا کی تاریخ میں سب سے زیادہ ترقی مغرب نے کی پر تعیش زندگی گزارنے کی جو سہولتیں مغرب نے مہیا کی اس کی بھی کوئی مثال نہیں __ لیکن یہ ترقی ،تعیش جو آزادی کے عقیدے سے ممکن ہوا اس کی قیمت مغرب نے کیا ادا کی ہم اس سے واقف نہیں۔ ترقیاتی معاشروں میں وہ لوگ جو زندگی، ترقی ،تعیش کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں ان کا انجام بہت برا ہوتا ہے یہ پیچھے رہ جانے والے لوگ قابلیت صلاحیت میں کمتر ہوتے ہیں کیونکہ ہر ایک اعلیٰ صلاحیتیں لے کر پیدا نہیں ہوا(۱) اعلیٰ صلاحیتوں والے مارکیٹ میکانزم سے اپنی دنیا حاصل کر لیتے ہیں مارکیٹ انہیں اچھا معاوضہ دیتی ہے(۲) جو مارکیٹ کے لیے کارآمد نہیں ہوتے ان کے لیے ریاست، خیرات وصدقات کے ادارے Philinthropy آگے آتے ہیں لہٰذا ریاست فوڈ اسکیم بے روزگاری الاؤنس وغیرہ دیتی ہے، NGO اور دیگر ادارے کھانا کھلاتے اور مختلف قسم کی مدد کرتے ہیں۔(۳) سرمایہ دارانہ معاشروں میں وہ لوگ جو خوددار ہوتے ہیں اور بھیک لینا پسند نہیں کرتے اور بہادر بھی ہوتے ہیں وہ سرمایہ داری کے عیش حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے لہذا وہ اس صلاحیت کے حصول کے لئے مجرم بن جاتے ہیں اور اپنی معیشت مافیا سے فراہم کرتے

ہیں دنیا کی تیس فی صد معیشت مافیا کے پاس ہے۔(۴) اس کے باوجود زندگی کی مسابقت اور سرمایے کے حصول کی دوڑ میں کروڑوں لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں لہٰذا ان میں جو شریف ہوتے ہیں وہ خودکشی کر لیتے ہیں جو بہت حساس نہیں ہوتے وہ نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں جو نہ خودکشی کر سکتے نہ نفسیاتی مریض بنتے وہ پاگل بن جاتے ہیں جو بہادر اور دلیر ہوتے ہیں وہ مجرم بن جاتے ہیں لہٰذا دنیا کی تاریخ میں مغربی تہذیب نے سب سے زیادہ پاگل، سب سے زیادہ نفسیاتی مریض ،سب سے زیادہ خودکشی کرنے والے، سب سے زیادہ مجرم ، بدمعاش ،غنڈے پیدا کئے ہیں مغرب میں جرائم اور مجرموں کے انسائیکلو پیڈیا شائع ہوتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں تمام جیلیں، پاگل خانے ،نفسیاتی مریضوں کے کلینک ،نرسنگ ہوم ،ہسپتال اور ہوٹل صرف اور صرف مغرب نے بنائے ہیں اٹھارویں صدی سے پہلے نہ جیل خانے تھے نہ پاگل خانے نہ ہوٹل نہ ریسٹورنٹ، نہ ہسپتال، نہ یتیم خانے، نہ ڈے کیئر سینٹر نہ اولڈ ہوم۔ جو جدید تہذیب ڈے کیئر سنٹر بناتی ہے، جس تہذیب کے لوگوں کے پاس بچوں کے لئے وقت نہیں ہوتا، بچے گھر میں نہیں پلتے اسی تہذیب کے بوڑھے اولڈ ہوم میں مرتے ہیں۔ بوڑھوں کے لئے بھی گھر میں اور دل میں جگہ نہیں ہوتی ان کے بچوں کے پاس بھی ماں باپ کے لئے وقت نہیں ہوتا۔ تمام تہذیبوں میں مجرموں کی یا اصلاح ہوتی تھی یا اسے سزا ملتی یا اسے جلاوطن کر دیا جاتا جیل خانے نہیں ہوتے تھے اٹھارویں صدی سے پہلے روایتی، مذہبی، تاریخی، تہذیبی، اجتماعیتوں میں سب سے بڑی سزا کسی فرد کا معاشرتی مقاطعہ اور جلا وطنی تھی براعظم امریکہ یورپ سے نکالے ہوئے یا وہاں سے بھاگے ہوئے مجرموں کی بستی تھا۔ انہی بھگوڑے مجرم، درندے، وحشی لوگوں نے سرخ ہندیوں کا قتل عام کیا اسی لئے امریکیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے People Without History ان کی تاریخ ہی دہشت گردی کی تاریخ ہے جو آج خود کو دہرا رہی ہے۔

امریکہ میں 2016 میں 26 لاکھ لوگ جیلوں میں بند تھے دنیا میں سب سے زیادہ مجرم سب سے زیادہ مہذب سول سوسائٹی امریکہ میں ہیں سب سے زیادہ جبری زنا کاری امریکی اسکول، کالج، یونیورسٹی میں کروڑوں کی تعداد میں امریکہ ہی میں ہوتی ہے۔ اوباما کی رپورٹ پڑھ لیجئے مغرب کے ہر ملک کا یہی حال ہے، یہ آزادی، ترقی کی قیمت ہے۔ آپ اعداد وشمار پڑھ لیں یہ ترقی کی قیمت ہے مغرب نے اس قیمت پر ترقی حاصل کی ہے ان کا خاندان، منتشر ہوگیا ہے

آزادی نے ساری روایتیں، روایتی اجتماعیتیں ختم کردیں تب ترقی ہوئی ہے ہمارے جدیدیت پسند مسلم مفکرین مغرب کی ترقی تو بتاتے ہیں ترقی کا نتیجہ نہیں بتاتے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مغرب کی ترقی لے لو بس ترقی کے پیدا کردہ مسائل ہم اسلام کی روحانیت سے حل کرلیں گے۔ ترقی روحانیت کو ختم کئے بغیر، خاندان، روایت، اقدار، مذہب کے خاتمے کے بغیر ممکن نہیں ورنہ مذہب، روایت، اقدار حلال وحرام کے ذریعے ترقی میں رکاوٹ پیدا کریں گے۔

غلام قوموں نے ترقی میں مغرب کی تقلید کی تو وہ خرابیوں میں بھی مغرب سے آگے نکل گئیں لیکن ترقی میں مغرب سے بہت پیچھے رہ گئیں مثلاً ملیشیا نے مغرب کی ترقی حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ حاصل نہ ہوئی ایک سٹے باز نے ایشین ٹائیگر کو اسٹاک مارکیٹ کے ذریعے پیپر ٹائیگر بنادیا، ترقی کے نتیجے میں عورت گھر سے باہر نکلی لہذا ملیشیا کے دارالخلافہ کولالمپور کے گھروں سے باورچی خانہ ختم ہوگیا۔ عورت مرد کوئی گھر میں نہیں ہوتا زمین بہت مہنگی ہے تو اس باورچی خانے کا کیا فائدہ مغرب کے اتباع کا انجام یہ ہے غامدی صاحب کہہ دیں گے کہ باورچی خانہ ہو نہ ہو اس کا اسلام سے کیا تعلق یہ فرد کا ذاتی معاملہ ہے مگر اس طرح کے جوابات جاہلیت خالصہ کے سوا کچھ نہیں باورچی خانے کی اہمیت پر ہم پھر کسی وقت تفصیل سے لکھیں گے لیکن مغرب میں ابھی تک باورچی خانہ موجود ہے لیکن مغرب کے غلام ایشین ٹائیگر کوالالمپور میں نہیں ہے غلام خرابی میں ہمیشہ آقا سے آگے ہی رہتا ہے

آزادی کا عقیدہ خاندان اور زندگی کو خودکشی کا راستہ دکھاتا ہے

مغربی تہذیب کے پیغمبر گلز ڈیلوز نے بھی خودکشی کرلی

امریکہ چین دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ مما لک ہیں تو وہاں خودکشی کی شرح سب سے زیادہ کیوں ہے اس لیے کہ زندگی میں معنویت نہیں ہے مقصد زندگی سرمایہ اور تعیش ہے آزادی کا عقیدہ ہی خودکشی کا ارادہ پیدا کرتا ہے۔ ہائیڈیگر نے لکھا ہے Freedom is the plate form of Anxiety and dipression کیا اس نے غلط لکھا تھا۔ تمام جدید معاشرے جنہوں نے آزادی کے عقیدے کے ذریعے بلاشبہ بے مثال کمال ترقی کی اب اس عقیدے کی قیمت چکا رہے ہیں۔ دنیا کی تمام جامعات میں امریکہ کے اشاعتی ادارے Mecgraw hill کی کتاب ابنارمل سائیکالوجی پڑھائی جاتی ہے اس کتاب میں خود

کشی کا باب پڑھ لیجیے خودکشی کی تمام وارداتیں صرف اور صرف ان ملکوں میں ہوتی ہیں جو سب سے زیادہ ترقی یافتہ سب سے زیادہ معاشی طور پر خوش حال اور سائنسی ترقی میں سب سے آگے ہیں سنگاپور تعلیم کے میدان میں دنیا میں سب سے آگے ہے اور سنگاپور کے اسکول کالج یونیورسٹیوں کے طلباء میں خودکشی کی شرح دنیا میں سب سے زیادہ ہے دینی مدرسے کے کسی طالب علم نے آج تک خودکشی نہیں کی اس لیے کہ وہ دین کا علم حاصل کرتے ہیں خودکشی سیکولر تعلیم والے دنیادار لوگ ہی کرتے ہیں۔ سنگاپور میں بوڑھوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جوانوں کی آبادی ختم ہو رہی ہے لوگ بچے پیدا نہیں کر رہے ریٹائرمنٹ کی عمر میں بھی اضافہ کردیا گیا ہے بوڑھے لوگ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی کام کرتے ہیں۔ یہی صورتحال تمام گوری قوموں کی ہے امریکہ کے سوا ہر ملک میں شرح افزائش منفی ہے، جوان آبادی کم ہو رہی ہے بوڑھی آبادی مسلسل بڑھ رہی ہے اور بوڑھی آبادی معیشت پر بوجھ بن رہی ہے لہذا وہاں مطالبہ ہو رہا ہے کہ بوڑھوں کا ایک ووٹ ہو، جوانوں کے دو ووٹ ہوں تا کہ بوڑھے اپنے فوائد کے لئے قانون سازی نہ کرسکیں۔

جاپان جیسے ملک میں ریٹائرڈ لوگ ریٹائرمنٹ کے بعد مجرم بن جاتے ہیں حکومت نے تحقیق کی کہ بوڑھے لوگ مجرم کیوں بن جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ معیار زندگی بہت بلند ہے پینشن کے پیسوں میں گزارا نہیں ہوتا لہذا بوڑھے کوئی جرم کرلیتے ہیں جیل خانوں میں بند ہو جاتے ہیں چھ آٹھ ماہ کی سزا ہو جاتی ہے وہاں اچھی طرح رہتے ہیں کھانا پینا مفت ایک سال میں جو پینشن جمع ہوتی ہے اس سے اگلا سال بہت اچھا گزرتا ہے معیار زندگی کو جب ایک اصول، قدر، ایک عقیدے کے طور پر اختیار کرلیا جائے تو اس کی قیمت یہ ہوتی ہے کہ ایک بوڑھا آدمی جس نے اپنی جوانی میں کوئی جرم نہیں کیا بڑھاپے میں مجرم بننے پر فخر محسوس کرتا ہے اسے شرم نہیں آتی اور شرم کیوں آئے جب خاندان، قبیلہ، روایتی اجتماعیتیں ہی نہیں رہیں ہر شخص الگ، آزاد، انفرادیت پسند ہے تو شرم کی کیا بات ہے جب ترقی اور معیار زندگی میں مسلسل اور مستقل اضافے کو ایک قدر Valure، عقیدہ Faith کے طور پر قبول کرلیا گیا ہے تو اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی پوری دنیا جاپان کے بوڑھے اس عقیدے، ایمان، اصول، قدر کی قیمت ادا کرنے پر تیار ہیں اور ادا کر رہے ہیں۔ عالم اسلام بھی ترقی اور معیار زندگی میں اضافے کی اسلامی دلیلیں پیش کر رہا ہے۔ منع کب کیا؟ حرج کیا ہے؟ مباح ہے؟ بس قرضے سے نہ ہو۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا مادی ترقی اگر

مشارکت اور مضاربت کے طریقے سے حاصل کی جائے اور اس میں ترقی کے حصول کے لئے لوگوں کو اکسایا جائے تو اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہوگا؟

اس صدی کے سب سے بڑے فلسفی گلز دلیوز نے جسے Philosopher of Desires کہا جاتا ہے ہسپتال کی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی تھی فلسفی اپنی تہذیب کا پیغمبر ہوتا ہے جب پیغمبر ہی اپنے فلسفۂ زندگی سے مایوس ہوجائے تو اس تہذیب میں امید کا چراغ کیسے جل سکتا ہے؟ وہ تہذیب جو خود مر رہی ہے جس تہذیب کا پیغمبر خودکشی کر رہا ہے حیرت ہے کہ مسلمان اس تہذیب کو اختیار کر کے دنیا اور آخرت دونوں کا خسارہ قبول کر رہے ہیں۔

عالم اسلام میں ترقی کے تمام ماڈل قرضے سے بنائے گئے ہیں

عالم اسلام مغرب جیسی ترقی مغرب سے قرضے حاصل کر کے۔ حاصل کرنا چاہتا ہے لہٰذا پورا عالم اسلام قرضوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ چونکہ امریکہ چین اپنے قرضوں کے بارے میں بالکل فکرمند نہیں ہیں کہ وہ کیسے ادا ہوں گے اسی طرح عالم اسلام بھی قرضوں کی فکر سے عاری ہے دوسرے معنوں میں آقا قرضے لے رہا ہے تو غلام بھی آقا کی تقلید میں قرضے لے کر ترقی چاہتا ہے جس طرح آقا کو قرضوں سے کوئی خوف نہیں غلام بھی اس بارے میں بے خوف ہے مگر کیا یہ طریقہ عقل اور اسلامی پیمانے پر ایک درست رویہ بھی ہے کیا تقلید کا یہ انداز درست ہے رسالت م آب مقروض کی نماز جنازہ پڑھانے سے صاف انکار کر دیتے تھے حدیث میں آتا ہے قرض دار مجاہد جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

اسلامی تہذیب میں قرض نہایت بڑا عیب ہے نہایت مجبوری کے سوا قرض لینا ایک جرم ہے جس سے جنت کا حصول ناممکن ہوجاتا ہے تو ترقی، عیش وعشرت، اعلیٰ معیار زندگی، پرتعیش اسلوب حیات، لذت اور مزوں کے لیے سودی اور غیر سودی قرضوں کا کیا شرعی جواز ہے؟ ان قرضوں کے بارے میں نائیل فرگوسن جیسے کافر وملحد کی رائے کتنی حیران کن ہے وہ پڑھ لیجیے حیرت ہے کہ قرض کی معیشت کی وکالت کرنے والے اسلامی ماہرین اسلامی علمیت پر عبور کے باوجود فرگوسن جیسی دانش حاصل نہ کر سکے وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے

I have tried to suggest that this is the case in important parts of the western world today Public debt - stated

and implicit - has become a way for the older generation to live at the expence of the young and the unborne. (p.151 ibid)

کیا اسلامی علمیت میں ایک شخص اپنے دو سالہ پوتے اور مستقبل میں پیدا ہونے والے متوقع پڑپوتے کی کفالت کے بجائے اس پر قرضوں کا بوجھ لاد سکتا ہے تاکہ وہ اور اس کی قوم ان معصوموں کے کندھوں پر ترقی کا سفر طے کر سکے۔ اس باطل ترقی کی وکالت بہت سے مسلم مفکرین کر رہے ہیں۔

مغرب کے ارب پتی خودکشی کے لیے سوئٹزرلینڈ جاتے ہیں:

مغرب کی تہذیب سائنس ٹکنالوجی ایک خودکشی کرتی ہوئی مرتی ہوئی تہذیب کی ترقی ہے عالم اسلام میں اس مغرب کی ترقی پر مرنے والوں اور ریجھنے والوں پر ہمیں حیرت ہوتی ہے مغرب میں سب سے زیادہ خودکشیاں پروفیسر، فلسفی، ڈاکٹر، فلم اسٹار، رنڈیاں، طوائفیں امیر ترین لوگ کرتے ہیں مگر کیوں؟ سوئٹزرلینڈ دنیا کا واحد ملک ہے جہاں خودکشی کی قانونی اجازت ہے لہٰذا وہاں Death Clinic کھلے ہوئے ہیں Death Tourism عروج پر ہے دنیا بھر سے امیر ترین لوگ مرنے کے لیے سوئٹزرلینڈ آتے ہیں پانچ ستارہ ہوٹلوں میں ٹھہرتے ہیں مرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ مرنے کے لیے دو دو مہینے انتظار کرنا پڑتا ہے سوال یہ ہے کہ اتنے امیر لوگ کیوں مرنا چاہتے ہیں اس لیے کہ زندگی مذہب سے خدا سے آخرت سے خاندان سے رشتوں سے دوسرے معنوں میں معنویت سے خالی [Meaning less] ہے۔

مذہب زندگی اور موت دونوں کو معنی عطا کرتا ہے لہٰذا مذہبی آدمی غربت میں بھی شان سے زندہ رہتا ہے اور شان سے مرتا ہے شہادت کا مرتبہ بھی ہر مسلمان کی آرزو ہے لہذا یہ جذبہ شہادت اس کی موت کو فاتحانہ بنا دیتا ہے۔ اس کے بغیر اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

مسلمان مادی زندگی فرعون اور آخرت کی زندگی حضرت موسیٰ کی چاہتے ہیں

عالم اسلام کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ قرضے کے ذریعے ترقی کو کوئی عیب نہیں سمجھتا اور امریکہ اور جاپان بھارت چین کی طرح ترقی بھی چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ مادیت، ترقی، مزے، سب مغرب کے ہوں اور روحانیت اخلاقیات اسلام کی ہو اسے کہتے ہیں مغرب اور اسلام میں پل کی تعمیر یا نئی نہر سوئز کی تعمیر جس کی حسرت میں بہت سے چل بسے مگر یہ پل ابھی تک تعمیر نہیں ہو سکا

دوسرے معنوں میں مغرب کی مادی ترقی کو حاصل کرنے والوں کا مقدمہ صرف یہ ہے کہ ان کی زندگی فرعون کی طرح عالی شان ہو اور ان کی آخرت حضرت موسیٰ کی طرح ہو۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے دو مختلف مناہج علم کا طرز زندگی بھی مختلف ہوتا ہے طرز زندگی بھی مابعد الطبعیات اعتقادات ایمان سے نکلتا ہے جس کے لیے فرعون کا طرز زندگی مثالی ہے اس کا انجام بھی فرعون کے ساتھ ہی ہوگا اور جس کے لیے حضرت موسیٰ جناب رسالت م آب کا طرز زندگی عالی مثالی معیاری ہے انشاء اللہ اس کا انجام بھی آخرت میں انہی عظیم انبیاء کے ساتھ ہوگا جو لوگ حوض کوثر پر رسالت مابؐ کی شان رحیمی سے اپنی پیاس بجھانا چاہتے ہیں ان کو رسالت م آب کے طرز زندگی سے محبت ہونی چاہیے فرعون کے طرز زندگی کو اختیار کرنے والا کبھی حوض کوثر پر ساقی کوثر کی مہمان نوازی اور فیاضی سے مستفید نہیں ہو سکے گا ایسے لوگ اس ذلیل دنیا کے بدلے اپنی آخرت خطرے میں ڈال رہے ہیں۔

جو پیدا ہو گئے جو پیدا ہو رہے ہیں قرضے میں ان کی رائے کہاں ہے؟

قرضوں کی معیشت جمہوریت کا سب سے بڑا قتل عام

ہم تاریخ انسانی کے بدترین معاشرے میں رہ رہے ہیں جو، نیچے سے اوپر تک قرضوں کے بوجھ سے لدا ہوا اور قرضے کے سمندر میں غرق ہے۔ جہاں ان نسلوں پر ہم قرضوں کا بوجھ لاد رہے ہیں جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئیں جنھوں نے ان قرضوں سے کبھی فائدہ بھی نہیں اٹھایا یا جن سے کبھی پوچھا ہی نہیں کیا گیا کہ ہم تمہارے نام پر قرضے لے رہے ہیں جن کا سود اور جن کی قیمت تم کو ادا کرنا ہوگی یہ کونسی جمہوریت کونسی انسانیت اور کونسی شرافت ہے۔

اسلامی علمیت میں کوئی عالم قرضوں کی اس معیشت کے جواز کا فتویٰ نہیں دے سکتا۔ اسی لیے تمام جدیدیت پسند جاوید غامدی بالکل سچ کہتے ہیں کہ مولوی کا اسلام ترقی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اس اسلام کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

پروٹسٹنٹ ازم پہلا مذہب جس نے دنیا پرستی کی تعلیم دی

تاریخ انسانی میں ہر مذہب نے انسان کو ایک ہی سبق دیا کہ یہ دنیا فانی حقیر ہے آخرت باقی اور اہم ہے لہٰذا اس دنیا پر آخرت کو ترجیح دو صرف پروٹسٹنٹ ازم تاریخ انسانی کا پہلا مذہب ہے جس نے دنیا پرستی کا مذہبی جواز مہیا کیا اور تمام عیسائی دنیا کو مذہبی تعلیمات کی غلط

تشریح کے ذریعے سرمایہ داری کا غلام بنا دیا لوتھر نے کہا کہ جو دنیا میں کامیاب ہے وہی آخرت میں کامیاب ہے جو دنیا میں ناکام ہے وہ آخرت بھی ناکام رہے گا۔ اس عقیدے نے دنیا پرستی کے فلسفے کو خود ہی مذہبی جواز عطا کر دیا۔

اس فلسفے کے ذریعے لوتھر نے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ محنت مشقت کر کے زیادہ سے زیادہ پیسہ کما کر خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا راستہ دکھایا لیکن ہوا یہ کہ لوگ صبح سے شام تک سرمایہ دارانہ نظام کی خدمت کرنے کے بعد خود سرمایہ دار ہو گئے حرص و حسد ہوس نے ان کی زندگی کا احاطہ کر لیا سرمایہ دارانہ نظام کے پھیلاؤ اور استحکام میں لوتھر کی دنیا پرستی پر مبنی مذہبی تعلیمات کا خاص حصہ ہے اس نے سرمایہ دارانہ اصطلاح work کی مذہبی تعبیر پیش کر کے سب کو سرمایہ داری کا غلام بنا دیا work ethics کی اصطلاح اور تاریخ لوتھر کی تحریک اصلاح سے نکلی آج کل پاکستان میں بھی کچھ لوگ اس سرمایہ دارانہ کام کی مذہبی دلیلیں مہیا کر رہے ہیں۔ جب ہم سرمایہ داری پر تنقید کرتے ہیں تو عموماً ذہن فوراً اس طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ ہم سوشلزم یا کمیونزم کو پسند کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے بہت سے علمی حلقے کیپٹل ازم کی اصطلاح کی تاریخ، تہذیب اور علمیت سے بخوبی آگاہ نہیں سوشل ازم، لبرل ازم، کمیونزم، انارکزم، نیشنل ازم، فیمن ازم سب کے سب سرمایہ دارانہ مذہب کے نظریات ہیں ان سب کی ایمانیات عقائد مابعد الطبعیات ایک ہے یہ سب کے سب مادہ پرست ہیں آخرت کا کوئی تصور ان کے یہاں موجود نہیں یہ آزادی مساوات ترقی کے عقیدوں میں تو مشترک ہیں مگر ان کے حصول کے طریقوں میں متفرق ہیں ان کے درمیان اصولی نہیں فروعی جزوی اختلافات ہیں یعنی عقیدہ ان کا ایک ہے بس فقہ مختلف ہے مثلاً تمام ازم سرمایہ میں لامحدود لامتناہی اضافے کے حامی ہیں کہ اس کے بغیر ترقی نہیں ہو سکتی لیکن سرمایے کے ارتکاز کے طریقوں میں اختلاف ہے لبرل ازم فری مارکیٹ پر یقین رکھتا ہے سوشلزم ریاستی سطح پر پلاننگ کا مدعی ہے یہ فرد کی سطح پر سرمایے کا ارتکاز چاہتا ہے وہ ریاست کی سطح پر ارتکاز سرمایہ چاہتا ہے۔ لبرل ازم میں ہر شخص کو سرمایہ یعنی معاوضہ اس کی اہلیت استعداد کے مطابق ملتا ہے Each According to his ability سوشلزم کمیونزم میں سرمایہ معاوضہ ریاست جمع کر کے ضرورت کے مطابق مساوی طور پر تقسیم کرنے کا دعویٰ کرتی ہے عملاً کبھی ایسا نہیں ہوا لہٰذا ان کا اصول ہے Each according to his needs لہٰذا

سوشلزم ہو یا کمیونزم یا لبرل ازم یا نیشنل ازم یا فاشزم یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں ان کی مابعد الطبیعات کفر اعظم ہے اسلام کی علمیت ان میں سے کسی کو تسلیم نہیں کرتی اور وہ ان تمام ازموں کے عقائد کو رد کرتی ہے۔ یہ سب یکساں سطح کے اشرار ہیں۔

چین میں سرمایہ داری اور پروٹسٹنٹ ازم

چین میں سرمایہ داری پھیل رہی ہے اور وہاں پروٹسٹنٹ چرچ کھل رہے ہیں بائبل کے کروڑوں نسخے فروخت ہو رہے ہیں چین کی کمیونسٹ پارٹی کے ایک سابق بڑے عہدیدار نے تجویز دی تھی کہ پروٹسٹنٹ مذہب کو چین کا سرکاری مذہب بنا دیا جائے کیوں کہ سرمایہ داری کا فروغ پروٹسٹنٹ ازم سے بہترین طریقے سے ہوتا ہے اور یہ مذہب سرمایہ داری کے پیدا کردہ فساد، خباثت کا کچھ نہ کچھ علاج بھی کر دیتا ہے تفصیلات کے لیے نائیل فرگوسن کی کتاب The West & the Rest کا باب نیو یروشلم پڑھیے نیو یروشلم میں اس نے چین میں عیسائیت کے فروغ کا جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ لاکھوں چینی عیسائیت قبول کر چکے ہیں لوتھر ازم اور سرمایہ داری کا ایک خاص تعلق ہے۔ Max Weber کی کتاب اس موضوع پر ایک اہم کتاب ہے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

عالم اسلام کو پروٹسٹنائز [Protestanization of Islam] کرنے کی حکمت عملی

عالم اسلام میں یہی کوشش سرمایہ داری کو مسلمان بنانے کے لیے ہو رہی ہے جس کے نتیجے میں سرمایہ داری مسلمان ہو یا نہ ہو اسلام دنیا پرست مذہب میں تبدیل ہو جائے گا اور لوگ آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا چھوڑ دیں گے صدر اوباما کے مشیر ولی رضا نصر نے عالم اسلام میں سرمایہ دارانہ اسلام کے فروغ پر ایک کتاب Islamic capitalism لکھی تھی جس کا نام اب تبدیل کر کے Meccanomics رکھ دیا گیا ہے اس کتاب میں اس نے مغرب کو مشورہ دیا ہے کہ وہ عوامی زندگی میں باحجاب بانقاب مسلمان عورتوں کی شمولیت پر بلا وجہ ردعمل اور اشتعال کا شکار نہ ہو اسے برداشت کرے وہ لکھتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ اتنے بڑے پیمانے پر لاکھوں مسلمان عورتیں قرآن کی تعلیمات قرن فی بیوتکن (۳۳:۳۳) سے انحراف

کر کے تعلیم کاروبار ملازمت کے لیے اپنے گھر کی چار دیواری کو چھوڑ کر گھروں سے باہر نکل کر عوامی زندگی Public life کا حصہ بن گئی ہیں لہٰذا ان کو آنے دو آج یہ عورت آزادی کے ساتھ نقاب حجاب میں باہر نکل رہی ہے تو اسے نکلنے دو کل یہی عورت اسی آزادی کے نتیجے میں بے حجاب بے نقاب ہو گی اور اپنے کپڑے بھی اتار دے گی لیکن اگر مغرب اور لبرلز نے عورت کے حجاب نقاب پر اعتراض کیا پابندیاں لگائیں تو یہ پابندیاں ان عورتوں اور مسلمانوں کے مذہبی تشخص، دینی شناخت، تاریخی روایت کو زندہ کر کے ان کو اپنی مذہبی شناخت سے وابستہ کر دیں گی لہٰذا مسلمان عورت کے نقاب میں آنے پر کوئی اعتراض نہ کرو مغرب کے بڑے لوگ، فلسفی مغرب کو ایسے ہی مشورے دیتے ہیں اس صدی کا سب سے بڑا فلسفی یرگن ہیبر ماس بھی مغرب کو مسلمانوں کے بارے میں یہی مشورہ دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ ان سب کو مکالمے کے ذریعے تہذیب حاضر کے ڈسکورس میں شامل کر دو مسلمانوں کو کاٹنے ستانے کے بجائے ان کو Communicative theory کے ذریعے اپنی تہذیب تاریخ میں شامل کرو تا کہ یہ مغرب کی علمیت میں تحلیل ہو جائیں۔

جان رالس نے اپنی آخری کتاب Law of the people میں یہی بات لکھی ہے کہ مسلمانوں سے اچھی طرح معاملہ کرو یہ بہت معزز لوگ ہیں ان کی تاریخ بہت بہترین ہے۔ لہٰذا مغرب کے بڑے فلسفی مسلمانوں کو Soft Policy نرم حکمت کے ذریعے ختم کرنے کے قائل ہیں مگر مغرب کے دہشت گرد برنارڈ لوئس، فرید زکریا، فواد عجمی، کونڈا لیزا رائس hard liners بش اور اوباما کی طرح دہشت گردی کے ذریعے مسلمانوں کا خاتمہ، چاہتے ہیں دونوں کے مقاصد ایک ہیں مگر طریقہ کار مختلف ہے۔

مغرب کا عقیدہ اور ہدف۔ مسلمانوں کا خاتمہ۔ ایک ہے مشترکہ ہے۔ مگر اسلوب انداز Style/ Strategy مختلف ہے ہمارے مسلم مفکرین ان مباحث کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور جان رالس، یرگن ہیبر ماس اور روایت کے مکتبہ فکر رینے گینوں کے خلیفہ ڈاکٹر حسین نصر کے بیٹے ڈاکٹر ولی رضا نصر کو اپنا مخلص دوست سمجھتے ہیں یہ زیادہ خطرناک بدترین دشمن ہیں جو اپنی حکمت عملی کی وجہ سے نظر ہی نہیں آتے۔

پروٹسٹنٹ ازم کا مطالعہ علمائے کرام کے لیے کیوں ضروری ہے؟

پروٹسٹنٹ فرقہ کا تحقیقی مطالعہ ہمارے علماء کے لیے بہت ضروری ہے کیوں کہ سرسید کے روحانی، علمی، فکری پیش رو ہگلی کے امام باڑے کے متولی مولوی کرامت علی۔ استاد جسٹس امیر علی، مصنف ماخذ العلوم۔ سرسید، جمال افغانی، مفتی عبدہ، احمد دین امرتسری، جسٹس امیر علی، چراغ علی، خدا بخش، محسن الملک، الطاف حسین حالی سب کے سب مارٹن لوتھر کی تحریک اصلاح مذہب سے براہ راست یا بالواسطہ متاثر ہیں۔ ہندوستانی مفکرین کو انگریزی اقتدار کا سامنا تھا وہ ان کے غلام تھے اور آقا کا سرکاری مذہب پروٹسٹنٹ ازم تھا لہٰذا شعوری وغیر شعوری طور پر سرسید کے اصول تفسیر تحریفی اصول تفسیر لوتھر کے گمراہ اصولوں کی آواز بازگشت کے سوا کچھ نہیں۔

غلام احمد قادیانی، عبداللہ چکڑالوی، شبلی نعمانی، حمید الدین فراہی، محمد علی لاہوری، اسلم جیراج پوری، خواجہ احمد امرتسری، مرزا حیرت دہلوی، غلام احمد پرویز، ڈاکٹر فضل الرحمان، امین احسن اصلاحی سب کے سب مارٹن لوتھر، زونگلی، کالون سے براہ راست یا بالواسطہ طریقے سے متاثر ہیں ان سب میں تحریک اصلاح کے اصولوں سے سب سے زیادہ اور براہ راست واقفیت صرف اور صرف ڈاکٹر فضل الرحمان کی ہے جو باقاعدہ عالم دین بھی تھے اور لوتھر فرقے کے تفسیری منہاج سے بھی واقف تھے ان پر پروٹسٹنٹ فرقے کے فلسفیانہ اصول تفسیر [Philosophical Hermeneutics] کا خاص اثر تھا وہ ڈلتھے، گیڈمر شلیر ماخر سے بہت متاثر تھے۔ ان کی تحریروں میں ان اصلاحی مفسرین کے حوالے بھی مل جاتے ہیں اصول تفسیر و تاویل کی روایت کو بنیادی طور پر تحریک اصلاح کے فرقے Protestanism/ Reformation movement کے مفکرین نے ہی ترقی دی اصول تفسیر Hermeneutics کے پہلے مورخ ڈلتھے کے نزدیک یہ بات مبرہن ہے کہ اس فن کی ابتداء پروٹسٹنٹ فرقے کے ظہور کے ساتھ ہوئی۔

قرآن کے قطعی الدلالۃ ہونے کا مطلب دو مناہج علمی ہیں

قرآن نے رسول کو اور رسول نے اجماع صحابہ و امت کو قطعی الدلالۃ کہا

لوتھر نے دعوت رجوع الی الکتاب کا نعرہ لگایا جس طرح عالم اسلام میں افغانی، عبدہ، سرسید، احمد دین امرتسری، چراغ علی، حمید الدین فراہی، اصلاحی اور غامدی صاحب اور ان کے

حواریوں نے دعوت رجوع الی القرآن کا نعرہ بلند کر کے تمام مصادر علمی ماخذات علم کو مسترد کر کے صرف اور صرف قطعی الدلالۃ قرآن سے رجوع کی دعوت دی۔ اصلاً یہ دعوت رجوع الی القرآن نہیں۔ دعوت ترک قرآن ہے کیوں کہ اس خوبصورت نعرے کی آڑ میں ان تمام مصادر علمی کا انکار کر دیا گیا جن پر ایمان لانا اسی قطعی الدلالۃ قرآن کی رو سے حجت تھا لہٰذا قرآن کو مسترد کرنے کے لیے ایک ایسے خوبصورت اصول کی آڑ لے لی گئی جس کے ذریعے صاحب قرآن ذات رسالت مآب کو قرآن سے الگ کر دیا گیا۔ حالانکہ قرآن ہی سے ثابت ہے کہ (۱) رسول بھی ماخذ دین ہے اور اس کا قول بھی قطعی الدلالۃ ہے جس نے رسول کی اطاعت کی اس ن فی الحقیقت اللہ ہی کی اطاعت کی اور (۲) رسالت مآب کے ہی قول سے ثابت ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں لہٰذا عدالت صحابہ بھی قطعی الدلالۃ ہے اور (۳) رسالت مآب سے ہی ثابت ہے کہ میری امت کا اجماع کبھی ضلالت پر نہیں ہوسکتا لہٰذا قرآن کی سند سے رسول کا قول فعل عمل اور رسول کے قول سے صحابہ اور امت کا اجماع بھی قطعی الدلالۃ ہے

امت کا اجماع کبھی ضلالت پر ہونا محال ہے: غامدی

لہٰذا غامدی صاحب نے خود مقامات میں لکھا ہے

حدیث: اللہ میری امت کو کسی گمراہی پر جمع نہ کرے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری امت کسی ضلالت پر جمع ہو جائے یہ ناممکن ہے دین کے معاملے میں ہدایت و ضلالت کا فرق اتمام حجت کے درجے میں واضح کر دیا گیا ہے: غامدی، مقامات ۲۰۱۴ء، ص ص ۱۶۰، ۱۶۱ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اتمام حجت کے لیے رسول کی بعثت ضروری نہیں کیوں کہ رسول کے بغیر بھی امت پر قیامت تک اتمام حجت ہو چکا تبھی وہ ضلالت پر جمع نہ ہوگی لہٰذا غامدی صاحب کا یہ مقدمہ بھی غلط ثابت ہوگیا کہ رسول صرف اتمام ہدایت اور اتمام حجت کے لیے آتے ہیں کیوں کہ غامدی صاحب نے ہی لکھا ہے کہ اب غلبے کے لیے قتال ممنوع ہے کہ اتمام حجت نہیں ہوسکتا مگر وہ خود ہی لکھ رہے ہیں کہ اس امت پر رسول کے بغیر اتمام حجت قیامت تک ہو چکا ہے۔

صرف قرآن اتمام حجت کے لئے کافی ہے: غامدی

مقامات میں لکھتے ہیں قرآن کے الفاظ کی دلالت، اس کے میزان، فرقان کی حیثیت

اورقرآن کا اپنی بات کا قطعیت کے ساتھ پہنچا دینا کافی ہے اس کی بنیاد پر روز قیامت انسان مسئول ہونگے اوران کے لئے جنت وجہنم کا فیصلہ کیا جائے گا۔قرآن کا یہ ارشاد اس فطری یقین پر ہے جو انسان کو نطق و بیان کی صلاحیت اور اسکے ذریعے سے ابلاغ کی قطعیت پر تتمہ رہا ہے۔ائمہ فقہ وحدیث نے مسلمہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ **ماثبت بالکتاب قطی موجب للعلم و العمل** غامدی مقامات ۲۰۱۴ ص ۱۲۰ یعنی قرآن کے پیغام کا ابلاغ قطعی ہے حجت ہے قطعی الدلالۃ ہے اتمام حجت کے لئے کافی ہے۔غامدی صاحب لکھتے ہیں قرآن کے استدلال کی بنیاد فطری علم پر ہے جو نفس انسانی میں الہام کر دیا گیا ہے انسان جب تک انسان ہے اس کے فیصلوں کا انکار نہیں کرسکتا وہ مجبور ہے کہ اس علم کی فیصلوں کو اسی طرح تسلیم کرے جس طرح وہ اپنی جبلتوں کے تقاضے تسلیم کرتا ہے: غامدی، مقامات ۲۰۱۴ء،ص ۱۱۸۔تمام علم وحکمت کی بنیاد ان الہامات پر ہے جو انسان کی فطرت میں ازل سے ودیعت ہیں عقل ان کے حضور میں محکوم محض ہے وہ ان کے احکامات سے انحراف نہیں کرسکتی انسان کی زندگی انہی پر یقین سے عبارت ہے خیر وشر کا امتیاز بھی من جملہ الہامات نفس ہے انسان کا نفس خیر وشر اور بر واثم کا حکم لگاتا ہے طیب وخبیث میں فرق کرتا ہے: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء،ص ۱۲۶، ۱۲۹، ۱۳۰ یعنی رسول کے بغیر انسان پر دین اتمام حجت کے درجے میں واضح ہو رہا ہے یہ انہی کا اصول ہے۔غامدی صاحب کے اصول Oxymoron ہیں۔

جس طرح لوتھر نے نعرہ لگایا کہ انجیل قطعی الدلالۃ ہے اور اس پر کوئی حاکم نہیں بالکل اسی طرح اہل قرآن اور غامدی صاحب نے بھی دعویٰ کیا کہ قرآن قطعی الدلالۃ ہے اس پر کوئی حاکم نہیں اس کے فہم کے لیے کسی کی شرح وتفسیر کی حاجت نہیں اس کے شہرستان معانی تک پہنچنے کا ایک ہی دروازہ ہے اور وہ صرف اس کے الفاظ ہیں جو واضح ہیں جن کی دلالت قطعی ہے اور حجت ہے [تفصیلات کے لئے غامدی صاحب کی کتاب میزان کا باب اصول ومبادی اور مقامات کا مضمون قطعی الدلالۃ دیکھیے] واضح رہے کہ یہ خود ساختہ اصول جو لوتھر نے ایجاد کیے وہ انجیل سے ثابت بھی نہیں تھے۔بالکل اسی طرح غامدی صاحب اور اہل قرآن کے اصول بھی قرآن سے ثابت نہیں ہیں یہ اصول صرف ان کے نفس Self ان کی عقل Reason، ان کی منطق Logic اوران کی تحقیق Research سے استقراء واستخراج کے اصولوں پر ثابت ہیں یعنی یہ

اصول خالق کے نہیں مخلوق کے ہیں۔مخلوق کے اصول خالق کے کلام کا کلی، قطعی فہم کیسے حاصل کرسکتے ہیں؟

دعوت رجوع الی القرآن کے اصول کیا خالق نے خلق کیے؟

انجیل کے فہم کے اصول پہلے انجیل کا مطالعہ بعد میں

بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا یہ دعوت ''رجوع الی القرآن'' مجرد Abstract دعوت تھی کہ بس قرآن سے رجوع کرلو بس خود قرآن پڑھنا شروع کردو یہ اتنی آسان کتاب ہے کہ اس کا فہم اس کی قرات کرتے ہی براہ راست ہر فرد کو حاصل ہوجائے گا یا اس قرآن سے رجوع کرنے۔ استفادہ کرنے استنباط اخذ نتائج۔اس کی تعبیر وتشریح وفہم کے اصول پہلے سے متعین تھے۔ظاہر ہے علم سے پہلے حصول علم کے اصول طے کیے جاتے ہیں۔لوتھر نے بھی یہی کیا اور غامدی صاحب بھی یہی کررہے ہیں۔

علم کا حصول مجرد الکتاب کی (۱) قرات، (۲) ورق گردانی، (۳) مطالعہ، (۴) غور وفکر وتدبر (۵) ترجمہ (۶) عقلی سرگرمی سے مشروط نہیں بلکہ الکتاب سے رجوع کے اصول پہلے طے کیے جاتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ یہ اصول کہاں سے آتے ہیں ان کا ماخذ (۱) نبوت، (۲) الہام، (۳) کشف، (۴) نفس، (۵) تدبر، (۶) تفکر (۷) تعقل (۸) منطق (۹) عرفان (۱۰) وجدان آخر کیا ہے؟ لوتھر نے بھی انجیل کے فہم کے اصول پہلے دیے اور انجیل کے مطالعہ کی دعوت بعد میں دی۔

یہی طریقہ کار سرسید، فراہی سے لے کر جاوید غامدی تک کا ہے کہ وہ قرآن کے فہم کے لیے پہلے اپنے تخلیق کردہ اصول دیتے ہیں پھر ان کی روشنی میں وہ نتائج خود بخود اخذ ہوجاتے ہیں جو یہ حضرات اخذ کرنا یا کرانا چاہتے ہیں جب طے شدہ اصولوں کی روشنی میں قرآن سے نتائج اخذ کیے گئے تو یہ مطالعہ معروضی Objective کیسے ہوگیا اگر یہ مطالعہ براہ راست بغیر کسی اصول کے ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ یہ غیر موضوعی مطالعہ ہے لیکن آثار، قرائن ثبوت شہادتیں سب اسی کی تائید کرتے ہیں یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن کے فہم کے لیے اسلاف کی تقلید سے ماورا کرنے کے لیے جس تحقیق اور معروضی مطالعے کا دعویٰ کیا گیا تھا وہ درست نہ تھا۔ یہ مطالعہ تو سراسر موضوعی Subjective ہے اس میں ایک خاص فرد۔نفس۔ایک خاص عقل۔یعنی کچھ خاص

اصول پہلے ہیں اس کے بعد القرآن ہے یعنی مخلوق کے اصول پہلے سے طے شدہ ہیں جن کی روشنی میں خالق کا قرآن سمجھا جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ مخلوق کے اصول کہاں سے آتے ہیں کیا یہ (۱) خالق نے خلق کیے (۲) خالق نے کسی پر القاء کیے (۳) خالق نے کسی پر الہام کیے (۴) کیا نبوت سے کسب کیے گئے یا (۵) محض تحقیق تفتیش تدبر و تفکر کا نتیجہ ہیں یعنی آپ کی عقل نے یہ اصول تخلیق کیے۔

ظاہر ہے یہ اصول تحقیق و تدبر کا نتیجہ ہیں ظاہر ہے یہ طریقہ غلط ہے قرآن کے فہم کے اصولوں کا وجود پہلے قرآن سے ہی ثابت ہونا چاہیے۔ اس سے کم کسی ماخذ کی سند ان اصولوں کے بارے میں حجت نہیں ہوسکتی۔ غامدی صاحب کا یہی اصول ہے کہ قرآن کو صرف قرآن ہی منسوخ کرسکتا ہے غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۴۷، ص ۵۱ لہذا اس اصول کے تحت فہم قرآن کے اصول بھی قرآن سے پیش کرنا ضروری ہے۔

المیہ یہ ہے کہ جب قرآن ہی قرآن کا ناسخ ہے تو اس کے اصولوں کا شارح بھی قرآن ہی ہے جدیدیت پسند نہیں۔ عالم اسلام میں تمام جدیدیت پسند لوتھر کی اتباع میں مصروف عمل ہیں اور اسی کے طریقہ واردات سے اسلام کی اصلاح کاری [Reformation of Islam] کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

اہل قرآن اور غامدی صاحب کے اصول لوتھر کے اصولوں کا سرقہ چربہ

کفار کے اصولوں کی تقلید حلال علماء کی تقلید حرام: عجیب منطق

لوتھر کی تحریک اصلاح نے غامدی صاحب کی طرح بالکل یہی کہا تھا کہ بائبل قطعی الدلالہ ہے اور اس کے متن کے معنی بدیہی طور پر ظاہر و باہر ہیں یعنی بائبل کے لغوی معنی اگر درست طریقے سے سمجھ لیے جائیں تو وہ بیک وقت روحانی معنویت کے بھی حامل ہوتے ہیں کتاب کی روح اس کے اندر موجود الفاظ کے معنی کے درست فہم سے ہی نمو پاتی ہے پروٹسٹنٹ مذہب کے اصول تفسیر کی پہلی کتاب کے مولف اور مفسر میتھاس فلاسیس عیلیر یکس (۱۵۷۵-۱۵۲۰ء) نے اپنی کتاب ''کلید کتاب مقدس'' میں مدون کیے اس نے بتایا کہ زبان ونحو کا ناقص علم کتاب الٰہی کے حقیقی فہم میں رکاوٹ ہے لہٰذا فلاسیس کی کتاب کا پہلا حصہ بائبل کی لغات پر مبنی ہے۔ پروٹسٹنٹ علم الکلام پر فلاسیس کی کتاب نے دائمی اثرات مرتب کیے اس کتاب کے نتیجے میں کلام

اللہ کا فہم صرف اور صرف نحوی، لسانی، لغوی علم پر عبور سے مشروط ہوگیا اس کے سوا فہم کلام کی تمام روایتیں، تمام رویے، طرائق اور اسالیب متروک قرار دے کر نفس انسانی کی بالادستی اس کلام پر کلام اللہ کی حاکمیت کے نام پر ہمیشہ کے لیے قائم کردی گئی۔ کتاب اللہ کے فہم کو فرد کی تحقیق، تدبر، تفکر اور لغت، صرف،، نحو و لسانیات کے علوم پر عبور سے مشروط کر کے لفظ کو معانی آفرینی کے لیے قطعی الدلالۃ کا درجہ دے کر اور لفظ کے ذریعے سے حاصل ہونے والی کلی معنویت کو پیش نظر رکھنے کا فریب علم اصول تعبیر [Hermeneutics] کے ذریعے ہی ممکن ہوا۔

غلام احمد پرویز نے لغات القرآن، تبویب القرآن، مفہوم القرآن اور مطالب الفرقان وغیرہ کتابیں مرتب کرتے ہوئے پروٹسٹنٹ فرقے کی کامل تقلید کی ہے یہی طریقہ غامدی صاحب کا بھی ہے وہ میزان البیان مقامات میں اسی فرقے کے اصولوں کا اتباع کرتے ہیں ان کے تمام اصول تحریک اصلاح کے اصولوں کا کامل سرقہ ہیں۔ لیکن دونوں مقلدین حضرات عوام کو علماء کی تقلید سے روکتے ہیں۔ ان کے لیے کفار کے پروٹسٹنٹ فرقے کی تقلید جائز ہے عوام کے لیے علماء کی تقلید ناجائز، کفر، شرک اور حرام ہے۔

مولوی کرامت علی ہگلی والے، سرسید، عبدہ، اہل قرآن سے لے کر جاوید غامدی، راشد شاذ، وحید الدین خان، عبدالکریم سروش، ڈاکٹر حسن الترابی، ڈاکٹر طارق رمضان، وغیرہ سب کے فکری ماخذات اجہادات تفردات اور معلومات کا مخزن تحریک اصلاح کے اصول اور اس تحریک کا مذہبی تعقل ہیں۔ لوتھر، کالون، زونگلی کی تحریک اصلاح اور زونگلی کی اصلاحی ریاست و اصلاحی تعلیمات کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہے گا۔

Pelikan J. Reformation of Church & Dogma
Stephen WP The Theology of Huldrych Zwingli
Strans G. Religion and society in Early Modern Europe 1500-1800
Althaus P. The Theology of Martin Luther
Cameron Euan., The European Reformation
MCGrath, A.E. Intellectual origions of the European Reformation
Niesel W. The Theology of Calvin

Oberman H.A. Forerunners of the Reformation

جاوید غامدی صاحب اور جدیدیت سے مقابلے کے لئے چند کتب:

ہمارے محترم علمائے کرام میں سے چند علما اپنے ذوق کے مطابق ء اگر درج ذیل کتب کا مطالعہ کرلیں تو جدیدیت مغربیت، مغربی فکر و فلسفے، مغرب کی تہذیبی ثقافتی یلغار اور اس یلغار کے اسلامی علمبردار وحید الدین خان، راشد شاذ، طحٰہ جابر العلوانی، یوسف قرضاوی، ڈاکٹر طارق رمضان اور جاوید غامدی صاحب جیسے تمام متجددین کے تمام باطل افکار کا بخوبی مقابلہ کیا جاسکتا ہے کیوں کہ ان میں سے ایک بھی مغربی فلسفے جدید ریاست اور جدید سائنس کے فلسفیانہ مباحث پر کامل عبور نہیں رکھتا۔ اور اکثر ان مباحث سے بالکل ناواقف ہیں۔

(۱) Alex callinicos □ Social Theory A Historical Introduction اس کا پہلا باب The Enlightenment تیسرا باب Liberals and Reactionavies پانچواں باب Life and Power

آٹھواں باب The illusion of progress دسواں اور گیارہواں باب The Golden age crack up انتہائی اہم ابواب ہیں تہذیب حاضر اور فلسفہ مغرب کو سمجھنے کے لیے یہ ایک عمدہ اور وقیع کتاب ہے۔

(۲) Gilbert Rist کی کتاب The History of Development اور The Delusion of Economics: The Misguided Certainities of Hazardous Science

(۳) Jared Diamond کی کتاب The World Untill Yesterday: What can we learn from traditional Societies کا باب تین Bringing up Children باب دس Speaking in Many Tongues باب گیارہ Salt, Sugar, Fat & Solth خاتمہ: At Another Airport یہ کتاب روایتی مذہبی الہامی تہذیبوں کے بے شمار کمالات سے آگاہ کرتی ہے وہ تہذیبیں کتنی سادہ تھیں کوئی بیمار نہیں تھا سب صحت مند تھے لوگ پندرہ پندرہ زبانیں بولتے تھے مہمانوں کی عزت کی جاتی تھی۔ جدید طرز زندگی Modern Life Style نے انسانیت ،

صحت ،معیشت ،تہذیب ،اخلاقیات ،ماحولیات ،خاندان، اجتماعتوں کو کس طرح تباہ کیا، برباد کیا، پارہ پارہ کردیا اس کی کہانی امریکہ کے سب سے بڑے مورخ کے قلم سے پڑھنا ضروری ہے اسی مصنف کی کتاب The Collaps سائنسی ترقی، ماحولیاتی آلودگی گنجان آبادیوں کے شہروں میں جمع ہوجانے، کیمیائی مادوں کے نام پر صنعتی ترقی کے حوالے سے حیرت انگیز معلومات اور حوالے پیش کرتی ہے اس کا اردو ترجمہ مشعل لاہور نے شایع کردیا ہے۔ کتاب میں ایک باب چین پر ہے اور انتہائی اہم معلومات پر مبنی ہے چین نے ایک ارب کی آبادی سے مغرب کی تین سو سالہ ترقی صرف تیس سال میں حاصل کرلی لہٰذا مغرب میں ماحولیاتی آلودگی کے جو مسائل تین سو سال میں پیدا ہوئے چین نے اپنی افرادی قوت کے بل پر وہ مسائل تیس سال میں پیدا کرلیے چین کے تمام دریاوں کا پانی زہریلا ہوگیا ہوا سانس لینے کے قابل نہ رہی کھانے پینے کی تمام چیزیں زہریلی ہیں کیوں کہ زمین ہوا پانی فضاء سب آلودہ ہوچکے ہیں ترقی کے باعث بڑے پیمانے پر نقل مکانی، ہوئی خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ گیا میاں ایک شہر میں بیوی دوسرے شہر میں بچے اور میاں بیوی کے ماں باپ تیسرے شہر میں سال میں ایک مرتبہ یہ سب تہوار پر اکٹھے ہوتے ہیں پھر سال بھر کے لیے بچھڑ جاتے ہیں یہ ہے ترقی کی قیمت اس میں اسلام کہاں سے داخل ہوسکتا ہے؟ اس ترقی کو اسلامی کیسے بنایا جاسکتا ہے؟

(۴) ہمارے شاگرد رشید جناب ظفر اقبال صاحب کی دو اہم ترین کتابیں جو جدیدیت، مغربیت، جدید فلسفے، عقل پرستی، منطق اور سائنس کے حوالے سے مغربی افکار و عقائد کا بہترین نقد ہے اور ہر صفحہ حوالوں سے بھرا ہوا ہے دونوں کتابیں جدید مغرب کے فکر و فلسفے اہداف و مقاصد سے بخوبی آگاہ کرتی ہے۔

(الف) اسلام اور جدید سائنس نئے تناظر میں، (ب) اسلام اور جدیدیت کی کش مکش،

(۵) Michal Sandal اس صدی کا اہم ترین فلسفی ہے اس کی تین کتابیں نہایت اہم ترین ہیں

(الف) What Money Can't Buy، (ب) Justice، (پ) Case Against Perfection تینوں کتابیں عہد حاضر کی ترقی، سائنسی ایجادات، مارکیٹ سوسائٹی کے سنگین مسائل کا نہایت خوبصورت طریقے سے احاطہ کرتی ہیں۔

(۶) اس صدی کے سب سے بڑے سائنس دان فائن مین R.P.Feynman جو کوانٹم فزکس کا سب سے بڑا سائنس دان ہے اس کی Physics پر اہم کتاب جو امریکہ کی تمام جامعات میں پڑھائی جاتی ہے سائنس کے موضوع پر نہایت عام فہم کتاب ہے واضح رہے کہ آج کل یہی طبیعیات Physics، Quarks, Neutrinos,. selectrons, bosons کے نام سے بھی پہچانی جاتی ہے۔

(الف) Six Easy Pieces

(ب) The Charactor of Physical Law

(۷) A.F.Charmers کی کتاب Is This Thing Called Science? یہ کتاب سائنس کی مرعوبیت کا خاتمہ کرتی ہے اور اس کی حقیقت، اصلیت بتاتی ہے۔ امریکہ کی اکثر جامعات کے نصاب میں شامل ہے۔

(۸) Feyerabend کی کتاب Against Method

فیرابینڈ فلسفہ سائنس کا نہایت اہم ترین فلسفی ہے اس کی کتاب امریکہ جامعات میں پڑھائی جاتی ہے اس نے سائنس اور سائنٹفک میتھڈ پر اتنی زبردست اور جارحانہ تنقید اتنے زبردست سائنسی فلسفیانہ دلائل کے ساتھ کی ہے کہ اس کا تصور محال ہے فیرابینڈ اور فلسفہ سائنس کے دوسرے بڑے مفکر ایمرلے کاٹوس کے درمیان ایک قلمی مباحثہ طے ہوا تھا مگر فیرابینڈ کا انتقال ہو گیا اگر وہ مباحثہ تحریر ہو جاتا تو سائنس کی حقیقت دو اور دو چار کی طرح آشکار ہو جاتی۔

(۹) John Dupre کی کتاب Human Nature & The Limits of Science فلسفہ سائنس کے ایک اہم مفکر کی کتاب ہے اگر غور سے پڑھ لی جائے تو سائنس، جدید سائنس اور طبی ترقیات، جدید معیشت کے جعلی گورکھ دھندوں اور مغربیت کی مابعد الطبعیاتی اساسات کی حقیقت بہت آسانی سے نہایت معتبر اور موقر، مستند حوالوں کے ساتھ سامنے آجاتی ہے کتاب میں جدید نفسیات اور ارتقائی نفسیات میں ہونے والی تحقیقات کا ناقدانہ کا جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے

پہلا باب: The Foundation of Evolutionary Psychology ہے دوسرا باب The Evolutionary Psychology of Sex & Gender ہے اس

میں مغرب کی جنسیت پرستی پر ہونے والی تحقیقات کا عمدہ خلاصہ ہے۔ تیسرا باب The Charms & Consequences of Evolutionary Psychology پر ہے۔ چوتھا باب: Kinds of People پر ہے اس سلسلے میں جدید مغربی تحقیقات، اینتھرو پالوجی علم بشریات کی بہت سی جہالتیں اور ضلالتیں آشکار کی گئی ہیں پانچواں باب: Rational Choice Theory پر ہے جدید معیشت کے عقائد ایمانیات پر مبنی اس باب میں ناقدانہ تجزیے بھی شامل ہیں۔ اس میں نظریہ چناؤ کی حقیقت بھی آشکار کی گئی ہے۔ آخری باب: Freedom of Will

(۱۰) Graham Taylor کی کتاب The New Political Sociology, Power, Ideology & identity in an age of Complexity اس کتاب کا باب چار The End of nation state باب چھ Network of Resistance Politics of New Social Movements باب آٹھ Complex Citizenship Between Universalism & Particularism نواں باب Global Civil Society? The Prospect for Cosmocracy یہ کتاب جدید مغرب کی حکمت عملی، مزاحمتی قوتوں اور مغرب کے ردعمل پر نہایت اہم معلومات مہیا کرتی ہے

(۱۱) گائی اینٹن کی کتاب The King of the Castle کا باب چھ Knowledge & its Counterfeits جدید سائنس کا تنقیدی جائزہ ہے۔ اس کتاب کے آخری دو باب ہمارا اکلوتا ورثہ اور ہم کیا ہیں، بہت اہم ہیں اقبال اکیڈمی کے سابق ناظم سہیل عمر صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ۔ سراج منیر صاحب کی بہن نے اس کتاب کا نامکمل مگر خوبصورت ترجمہ ''میر سامان وجود'' کے نام سے کیا ہے مگر ان جانی مصلحت کے تحت چھٹے باب کا ترجمہ نہیں کیا ہے جب کہ یہ اہم ترین باب ہے

(۱۲) رینے گینوں کی کتاب The Crises of the Modern World

رینے کا مکتب فکر وحدت ادیان کی گمراہی کا شکار ہے جہاد کا منکر ہے فلسفے اور تصوف کا نام لے کر دینی علوم کو بہت کچھ گمراہ کن رنگ دیتا ہے مگر اس میں خیر کے بہت کچھ پہلو بھی ہیں۔

اہل سنت کا علمی اور عملی طریقہ یہ رہا ہے کہ انہوں نے خوارج، معتزلہ اور اہل تشیع کی کتب سے بھی استفادہ کیا انہیں دینی مدارس کے نصاب میں شامل کیا اسی اصول کے تحت رینے کی کتاب ''دنیائے جدید کا بحران'' کا بھی مطالعہ کیا جاسکتا ہے کتاب میں بچھے ہوئے کانٹوں ، بارودی سرنگوں سے بچ کر یہ مطالعہ مفید ہوسکتا ہے کتاب کا دوسرا باب مشرق اور مغرب کی مخالفت، تیسرا باب سطحی سائنس اور مقدس سائنس ، روایتی تہذیبوں میں سائنس کا کردار چوتھا باب انفرادیت پرستی بھی بہت اہم ہے۔ باب ہشتم مادیت ، ارتقایت جمہوریت کے نئے پہلو سامنے لاتا ہے

(۱۳) رینے گینوں کی کتاب The Reign of Quantity بہت اہم ہے۔اس کتاب کا باب ہشتم جدید صنعت Industry اور قدیم صنعت وحرفت کا اساسی فرق دکھاتا ہے۔

باب دہم شماریات کا دھوکہ اہم باب ہے باب تیرا، چودہ اور اٹھارہ بہت اہم ہیں ان میں عقل پرستی ، میکانکی نقطہ نظر، مادیت پرستی، دور جدید کے سائنسی مفروضات ، سائنسی دیو مالا اور فزکس اور حیاتیات کے بہت سے حوالے بھی ان ابواب میں موجود ہیں۔

(۱۴) لارڈ نارتھ بون Religion In The Modern World اس کتاب کا باب پانچ جدید سائنس، باب چھ قدیم وجدید فنون باب دو جدیدیت کا مطالعہ کیا جائے۔

(۱۵) لارڈ نارتھ بون کی ایک اور اہم کتاب Looking Back on Progress اس کے ساتھ Development Dictionary کا مضمون Progress بھی پڑھ لیا جائے۔

(۱۶) مریم جمیلہ (الف) Islam Versus West (ب) Islam & Modernism

(۱۷) سید حسین نصر کی کتاب Islam & Plight of Modern Man کا آخری باب ''اسلام اور مغرب کے چیلنج'' ایک اہم تحریر ہے حسین نصر روایت کے مکتبہ فکر کے مفکر ہیں ان کے یہاں سی گمراہیاں موجود ہیں ان کا خیال رکھنا ضروری ہے تاکہ کوئی خلط مبحث پیدا نہ ہو۔

(۱۸) حسین نصر کی کتاب Traditional Islam In The Modern World کا باب زوال وانحراف اور نشاۃ الثانیہ اہم تحریر ہے۔

(۱۹) Ali Usman Qasmi کی کتاب Revisioning Iqbal As a Poet

Muslim Political Thinker & اس کتاب کا آخری باب صدر شعبہ فلسفہ کراچی یونیورسٹی ڈاکٹر عبدالوہاب سوری کے مقالے پر مشتمل ہے مقالے کا عنوان ہے

What is Living & What is dead in Iqbal.

اس مقالے میں پہلی مرتبہ اقبال کے خطبات کے پہلے خطبے ماخذات علم پر فلسفیانہ نقد کر کے اس میں مستور گمراہیوں کا جائزہ لیا گیا ہے اقبال نے ان مباحث سے رجوع کر لیا تھا امالی غلام محمد مطبوعہ جریدہ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں مگر اقبال کے مداح اس رجوع کو نہیں مانتے لہٰذا پہلے باب کا تنقیدی مطالعہ لازم ہے عموماً دینی مفکرین خطبہ اجتہاد پر تحقیق کرتے رہتے ہیں۔ یہ تحقیق بھی ناقص ہے کیوں کہ اجتہاد کے ماخذات علم کے تعین کے بغیر اجتہاد الحاد کا دروازہ کھولتا ہے۔

(۲۰) سہیل عمر کی کتاب ''خطبات اقبال ایک نئے تناظر میں''

سہیل عمر صاحب نے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے غیر مطبوعہ مقالے کو سامنے رکھ کر خطبات اقبال کا پہلا تنقیدی تحقیقی تفصیلی معرکہ آراء جائزہ پیش کر کے خطبات میں مستور سنگین اغلاط، گمراہیوں کو واضح کیا ہے خطبات سے علامہ اقبال نے رجوع کر لیا تھا خطبات کے بعد کی شاعری ضرب کلیم، ارمغان حجاز وغیرہ خطبات کی ناسخ ہیں امالی غلام محمد کے ذریعے سید سلیمان ندوی کی شہادت بھی میسر ہوگئی ہے کہ اقبال نے خطبات کے مباحث سے رجوع کر لیا تھا مگر جدیدیت پسند حلقے اور غامدی صاحب جیسے متجددین آج بھی یہی کہتے ہیں کہ دین کی تشکیل جدید کی ضرورت اقبال کے خطبات کی روشنی میں ضروری ہے۔عمران خان ۲۰۱۳ء کے انتخابات میں تحریک انصاف کے نام سے میدان میں آئے تو انہوں نے اعلان کیا کہ وہ پاکستان میں رینے گینوں اور علامہ اقبال کے خطبات والا اسلام نافذ کریں گے جبکہ اقبال نے اس اسلام سے خود رجوع کر لیا تھا۔

واضح رہے کہ عمران خان غامدی صاحب کے خاص مرید ہیں غامدی صاحب نے اپنے دوست اپنے ادارے دانش سرا کے صدر ڈاکٹر فاروق خان کو عمران خان کا مذہبی مشیر مقرر کیا تھا وہ عمران خان کی پریس کانفرنسوں میں مذہبی سوالات کا جواب دیتے تھے۔رینے گینوں کا اسلام وحدت ادیان کے کفر اور اقدامی جہاد سے انکار پر مبنی ہے۔ یہ اسلام ، اسلامی سیاست امارت خلافت کے بارے میں اسلام کا سیاسی نظریہ پیش نہیں کرتا یہ اس سوال سے بھی بحث نہیں کرتا کہ اسلامی علوم فنون خطاطی علوم عقلیہ فن تعمیر کا احیاء اسلامی امارت کی سرپرستی کے بغیر کیسے

ہوسکتا ہے؟۔حیرت ہے کہ روایت کا مکتبہ فکر وجوب خلافت، امارت، سلطنت اور نظم سیاسی کا قائل نہیں جبکہ موکول علی السلطان کی اصطلاح اسلامی علمیت کی اہم ترین اصطلاح ہے۔ زکوٰۃ، جہاد، نفاذ حدود، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، جمعہ، فے کے لیے، اقتدار، سلطان، سلطنت کا وجود لازم ہے اس کے بغیر ان احکامات شریعت پر عمل ممکن نہیں اسلامی شریعت کے کامل نفاذ کے لیے اقتدار کا وجود امر لازم ہے مگر اس مکتب فکر کی کسی کتاب میں اسلامی علوم وفنون کی بھرپور وکالت کے باوجود اسلامی خلافت کے قیام کی ضرورت کی کوئی بحث نہیں ملتی حالانکہ امت کا اس امر پر اجماع ہے۔

ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

اتفق جمیع اھل السنۃ وجمیع المرجئۃ وجمیع المعتزلۃ وجمیع الشیعۃ وجمیع الخوارج علی وجوب الامامۃ وان الامۃ فرض واجب علیھا الانقیاد لا مام عادل یقیم فیھمن احکام اللہ ویسوسھم باحکام الشریعۃ التی اتی بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں

یجب ان یعرف ان ولایۃ امر الناس من اعظم واجبات الدین بل لا قیام للدین اء لا بھا

امام قرطبیؒ کی تحقیق ہے

ولا خلاف فی وجوب ذالک بین الامۃ ولا بین الائمۃ

ابن خلدونؒ لکھتے ہیں

ان نصب الامام واجب قد عرف وجوبہ من الشرع باجماع الصحابۃ و التابعین...و کذا فی کل عصر بعد ذلک ولم یترک الناس فوضی فی عصر من الاعصار واستقر ذالک !اجماعاً دالا علی وجوب نصب الامام

شاہ ولی اللہؒ کا قول ہے

واجب بالکفایۃ است بر مسلمین الی یوم القیامۃ نصب خلیفہ مستجمع شروط۔

اسی لیے مغرب میں اسلام پر لکھی جانے والی کتابوں میں روایت کے مکتبہ فکر کو مغرب کے لیے کوئی خطرہ ہی نہیں سمجھا جاتا مگر ایک چھوٹی سی ٹوٹی پھوٹی مسجد میں ٹوٹی ہوئی چٹائی پر کچے فرش پر میلے

کپڑوں میں ملبوس ایک غریب مولوی کو مغرب اپنے لیے سب سے بڑا خطرہ سمجھتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل مولوی یہ ہیں اور روایت کے مکتبہ فکر کے مولوی جعلی ہیں اس لیے خطرہ نہیں ایسے ہی جعلی مولویوں کی ایک تنظیم مصر میں یوسف قرضاوی صاحب کی سرپرستی میں قائم کی گئی جس کا نام ہے حزب وسط یہ تنظیم تمام مغربی عقائد کی اسلامی تصدیق کرتی ہے ایسے اسلام سے مغرب کو کوئی خطرہ نہیں لہٰذا ہارورڈ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے اس اسلام اور اس سیاسی جماعت پر تحقیق کر کے ایک کتاب شائع کی جس کا نام ہے Islam without fear یہ کتاب اب کراچی سے رائل بک کمپنی نے بھی شائع کر دی جس اسلام سے مغرب کو کوئی خطرہ نہ ہو وہ اسلام نہیں کچھ اور ہے قرضاوی اور جاوید احمد غامدی صاحب کا اسلام کچھ اسی قسم کا ہے۔

(۲۱) Mary Midgley کی کتاب Science As Salvation: A Modern Myth & its meaning

(۲۲) H.F. Cohen کی کتاب The Scientific Revolution: A Historiographical Inquiry اس کتاب کا دوسرا حصہ The Search & Causes of The Scientific Revolution بہت اہم ہے اس باب کا ایک اہم ذیلی باب نمبر چھ The Non Emergence of Early Science Outside Europe ایک اہم باب ہے۔

ہزرل نے سو سال پہلے جدید سائنس کو یوروپی سائنس لکھا تھا اور اس پر سخت تنقید کی تھی اس کی کتاب Critiques on European Science کے نام سے موجود ہے اس کے شاگرد ہائیڈگر نے ایک اہم کتاب ۱۹۲۶ء میں لکھی تھی Question Concerning Technology یہ کتاب علامہ اقبال کی نظر سے نہیں گزری ورنہ خطبات میں وہ سائنس کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار نہ ہوتے۔ حیرت ہے کہ مغرب جدید سائنس کو یورپی سائنس خاص جغرافیائی سائنس تسلیم کرتا ہے لیکن جب یہ سائنس آلودگی ماحولیاتی تباہی پھیلاتی ہے تو اس کی ذمہ داری مغرب نہیں اٹھاتا بلکہ پوری دنیا کو اس آلودگی کا ذمہ دار قرار دے کر سب کو اس میں اپنا حصہ ڈالنے کی ہدایت کرتا ہے یہ سائنس یوروپی ہے مغربی ہے تو اس کی پھیلائی ہوئی تباہی کے اثرات کے خاتمے کی ذمہ داری مغرب اور یوروپ پر عائد ہوتی ہے پوری دنیا پر عائد نہیں ہوتی۔

(۲۳) جدید مغربی ایمانیات، عقیدوں پر Zed Books London کی شائع کردہ کتاب The Development Dictionary کمال کی کتاب ہے اس میں Poverty, Progress, Development, Science, Standard of Living وغیرہ جیسے جدید عقیدوں کا تاریخی، فلسفیانہ، ناقدانہ جائزہ لے کر ان کی خامیاں واضح کر دی گئی ہیں۔

(۲۴) ڈاکٹر عبدالوہاب سوری کا PHD کا مقالہ اس صدی کے سب سے بڑے لبرل سیاسی مفکر فلسفی جان رالز کے تنقیدی جائزے پر مشتمل ہے یہ جریدہ ۳۴ میں شائع ہوا ہے لبرل ازم کی اصلیت، حقیقت ماہیت کو نہایت عام فہم انداز میں مگر تمام تر فلسفیانہ، عقلی، منطقی، بنیادوں پر اس کا تنقیدی مطالعہ کر کے اس کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں

(۲۵) Nail Ferguson کی کتابیں

(الف) The Great Degeneration

(ب) The West and The Rest

ان دونوں کتابوں پر مختصر تبصرہ اس مضمون میں آ چکا ہے۔

(۲۶) Robert Dhales., Democracy and its critiques فلسفہ جمہوریت پر اسی مصنف کی اور اہم کتابیں بھی مطالعے کے لائق ہیں۔

(۲۷) Jacques Ranciere., Hatred of Democracy فرانس کے اس اہم فلسفی کے بارے میں ٹام کونلے پروفیسر آف رومانس لینگویجز اینڈ لٹریچرز ہارورڈ یونیورسٹی نے لکھا ہے کہ

One of the most compelling thinkers and writers in France since Michel Focuault and Gilles Deleuze اتنے اہم فلسفی کی کتاب کا مطالعہ عہد حاضر میں جمہوریت کے بہت سے گوشوں کی نقاب کشائی کرتا ہے وہ لکھتا ہے

This cause is called democracy that is the reign of the limitless desire of individuals in modern mass society

پہلے باب کا عنوان ہے From Victorious Democracy to criminal

Democracy چوتھے باب کا عنوان ہے

The Rationality of a Hatred

(۲۸) J.S NYE,JR Soft Power The Means to success in world politics اسلامی تحریکوں کے لیے بہت اہم کتاب ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ مغرب اپنی Soft Powers کھیل، فلم، کھانے، ثقافت، سائنس، موسیقی، ادویات، علم و ادب، لباس، خوراک، کھانے، مصنوعات، ایجادات، فلمیں، انسانی حقوق، تعلیمی ادارے، ترقی، ایجادات وغیرہ وغیرہ سے کس طرح پوری دنیا کو اور خاص طور پر مسلم دنیا کو متاثر کر رہا ہے اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ ہم مغرب کی بہت سی چیزوں کو غیر اقداری سمجھ کر قبول کر رہے ہیں اور ان اشیاء کے جواز کے فتوے دے رہے ہیں یہ جانے بغیر کہ مغرب کی اقدار، روایات، تہذیب، تاریخ اس سے آنے والی مصنوعات غیر اقداری ہیں حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی تہذیب سائنس جہاں بھی جاتی ہے تمام مدمقابل تہذیبوں کی اقدار کو شعوری غیر شعوری طور پر اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہے سوال یہ ہے کہ یہ غیر اقداری ہے تو دوسروں کی اقدار کیوں بدل دیتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اقداری Value Loaded ہے۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ مغرب کی علمیت اس کے فلسفے عقیدے دعوے اتنے مضبوط ہیں کہ اس کو لڑنے بھڑنے جنگ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس کی تہذیب، علمیت، اداروں، فلسفوں کے سامنے پوری دنیا خود سجدہ کرتی ہے اس نے کتاب میں روس سے لے کر ایران و سعودی عرب تک کی مثالیں دی ہیں کہ یہ سب امریکہ اور مغرب دشمن مسلمان امریکی ثقافت تہذیب معیار زندگی کے رنگ میں رنگ چکے ہیں اس نے کئی ملکوں کے نام لکھے مگر یہ نہیں بتایا کہ امریکہ کے ساحل سے صرف پچاس میل دور کاسترو کے کیوبا کو امریکہ کی Soft Power پچاس سالوں میں بھی کیوں تحلیل نہیں کر سکی جب کہ کاسترو اور امریکہ میں کوئی بنیادی نظریاتی اختلاف سرے سے موجود نہیں ہے۔ کاسترو اور کیوبا کا مطالعہ اسلامی تحریکوں کے لیے بہت بنیادی اہمیت کا حامل ہے کاسترو نے کس طرح امریکہ کی سافٹ پالیسی سے اپنے نوجوانوں کو بچایا کس طرح انھیں قربانی دینے غربت پر قانع رہنے کا سبق دیا ایران میں تھوڑی سی مہنگائی ہوئی تو انقلابی جذبہ ختم ہو گیا آخر کاسترو نے کیا حکمت عملی اختیار کی کہ امریکہ وہاں مسلسل ناکام ہوتا رہا مگر سعودی عرب ترکی ایران پاکستان میں

کامیاب ہوگیا۔

ہماری بعض مذہبی سیاسی جماعتیں اور اسلامی تحریکیں رفتہ رفتہ مغرب کے تمام اداروں اور عقائد کی جزوی اسلام کاری میں مصروف ہیں یہ کاسترو جتنی مزاحمت بھی نہیں کرسکیں۔

Joseph S. NYE, JR کی کتاب کے اہم ابواب درج ذیل ہیں

)۱(Sources of American Soft Power

)۲(Other's soft Power

)۳(Wiedding Soft Power

)۴(Soft Power and American Foriegn Ploicy

وہ لکھتا ہے کہ امریکہ کی سافٹ پاور کے لیے ہارورڈ یونیورسٹی سے زیادہ ہالی وڈ اہم ہے (ص ۷۴) یعنی علم نہیں رنڈی بازی کا علم زیادہ موثر ہے قرآن کی اصطلاح میں یہی □□□ □□□□□□ ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ امریکی فاسٹ فوڈ کی مقبولیت جو سافٹ پاور کا ایک مظہر ہے اس بات کا ثبوت ہے کہ لوگ اپنے روایتی کھانے ان کو پکانے کے طریقے مسترد کرکے امریکی کھانوں کے ذائقے قبول کررہے ہیں۔(ص ۷۴) وہ لکھتا ہے کہ امریکہ میں کھیلے جانے والے تمام امریکی کھیل فٹبال باکسنگ کار ریسنگ ریسلنگ امریکی اقدار و روایات کے ابلاغ کے اہم ترین ماخذ ہیں۔(ص ۷۴) دنیا کی تاریخ میں کبھی کوئی سلطنت اتنی استعماری نہیں تھی کہ وہ اتنی طاقت سے لوگوں کے ذائقے، لباس، پکوان، کھیل، سوچنے کے طریقے تک تبدیل کر دے ایسی Tyrrant ریاست پوری تاریخ انسانی میں ناپید ہے۔

وینز ویلا، فلپائن، شمالی کوریا، کیوبا، دہشت گرد نہیں ہیں: امریکہ: UNO

چاروں کا عقیدہ آزادی، مساوات، ترقی ہے

وہ امریکہ اور روس میں نوجوانوں کے تبادلے کے پروگرام کے حوالے سے لکھتا ہے کہ تبادلوں کا یہ عمل روس کے لیے ٹروجن ہارس ثابت ہوا اس گھوڑے سے نکلنے والے روسی امریکی اقدار کے غلام بن چکے تھے۔(ص ۷۶) انہوں نے ہی روس میں لبرل ازم کے انقلاب کو ممکن بنادیا اور سرمایہ داری کی ایک شکل سوشلزم کو مسترد کرکے سرمایہ داری کی دوسری شکل لبرل ازم فری

مارکیٹ اکانومی کو روس کے لیے قابل قبول بنا دیا۔ یہاں ایک اہم نکتے کی وضاحت ضروری ہے کہ عالمی استعماری قوتوں کی تنظیم UNO اور استعماریت کا نمائندہ اور دنیا کی امامت کا دعوے دار امریکہ اپنوں اور غیروں میں فرق (Discrimination) کرتا ہے۔ اپنوں سے مراد دنیا کی وہ قومیں جو مغربی عقیدوں پر ایمان تو رکھتی ہیں مگر عقیدوں پر عمل کا طریقہ امریکہ اور یورپ سے مختلف رکھتی ہیں ان کے ساتھ اس کا رویہ نہایت رواداری، درگزر، عفو اور معافی کا ہوتا ہے لیکن ان قوموں اور ملتوں کے ساتھ اس کا رویہ نہایت وحشیانہ، سفاکانہ اور جارحانہ ہوتا ہے جن کے عقیدے مغرب کے تین عقیدوں آزادی، مساوات، ترقی سے مختلف ہوتے ہیں انہیں مغرب The other کہتا ہے اور اس کا عقیدہ ان کے بارے میں یہ ہے کہ دوسرے جہنم میں جائیں۔۔۔لہٰذا اسی عقیدے کے باعث وہ افغانستان کے طالبان، عراق اور شام پر وحشیانہ بمباری کرتا ہے۔ افغانستان پر امریکہ نے اتنی وحشی بمباری کی کہ پوری تاریخ میں کبھی کسی ملک پر اتنی بمباری نہیں ہوئی مگر وہ کیوبا، ونزویلا، شمالی کوریا اور فلپائین کے بارے میں نہایت نرم رویہ رکھتا ہے۔ کیوبا کا امریکہ نے صرف معاشی مقاطعہ کیا اس پر بمباری نہیں کی اس لئے کہ ان کا عقیدہ صحیح ہے عمل غلط ہے۔ فلپائین کے صدر نے ۲۰۱۶ء میں منشیات استعمال کرنے والوں اور بیچنے والوں کے قتل عام کی اجازت عوام کو دی ہے جس کے باعث چار ہزار لوگ دسمبر ۲۰۱۶ء تک گلیوں کی عدالتوں اور انصاف Road Justice کے ذریعے ہلاک کئے جاچکے ہیں۔ امریکہ نے اعتراض کیا تو فلپائنی صدر نے جواب دیا او کتیا کے بچے چپ رہ۔ جب ۲۰۱۶ء میں شمالی کوریا کے صدر کم ال سنگ کے پوتے نے دھمکی دی کہ وہ جنوبی کوریا پر ایٹم بم پھینک کر اسے تباہ کردے گا تو اسے کسی نے دہشت گرد نہیں کہا UNO کا ہنگامی اجلاس تک نہیں ہوا، اسکے خلاف کوئی بیان بھی نہیں آیا۔ صرف چین سے کہا گیا کہ اس کو سمجھا یا جائے۔ وینز ویلا کے صدر شاویز امریکہ کا ناطقہ بند کیا امریکہ کو گالیاں دیں اپنی بیماری کا ذمہ دار امریکہ کو ٹھرایا مگر امریکہ نے کیوبا، وینز ویلا، فلپائن، شمالی کوریا کو نہ دہشت گرد قرار دیا نہ ان پر بمباری کرکے انہیں تہس نہس کیا۔ یہ عقیدے کا اثر ہے اور یہ ہے ہم عقیدہ لوگوں سے محبت کا عالم۔ اسی کا نام آزادی ہے۔ کیا مسلمان اس اصول سے کچھ سیکھ سکتے ہیں؟

اسلامی تحریکیں تنظیمیں مسلسل مغرب کے بارے میں خذ ما صفا و دع ما کدر کے حوالے

سے جو رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں وہ امریکی اور مغربی تہذیب وثقافت کے غلبے کے لیے آسان راستہ کھول رہا ہے اس حکمت عملی کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ مغربی تہذیب وثقافت نے ہی روس اور چین کو شکست دی اسی تہذیب وثقافت نے دیوار برلن کا خاتمہ کیا لیکن یہ تہذیب کیوبا کو تبدیل نہیں کرسکی دینی علمیت اور روحانیت کے بغیر اگر کیوبا امریکا کی تہذیب ثقافت کا پچاس سال تک بے مثال مقابلہ کرسکتا ہے تو اسلامی علمیت، روحانیت، عقیدے اور ہماری پندرہ سو سالہ تہذیب وثقافت مغرب کا مقابلہ کیوں نہیں کرسکتی ظاہر ہے اس کے لیے ہمیں نئے ایمان نئے جذبے کی ضرورت ہے۔

(۲۹) Raymond Aron., Democracy and Totalitarianism

(۳۰) Ulrich Beck.,Democracy without Enemies

(۳۱) ڈاکٹر رفعت حسن، حالی اور سرسید کا نظریہ فطرت

(۳۲) الطاف حسین حالی، حیات جاوید

(۳۳) ضیاء الدین لاہوی (۱) سرسید حیات وآثار (۲) سرسید کے افکار

اس کے علاوہ بھی لاہوری صاحب نے سرسید پر کئی کتابیں لکھی ہیں جو الجمیعت پبلی کیشنز لاہور نے شائع کی ہیں یہ دونوں کتابیں پہلے جنگ مطبوعات نے شائع کیں پھر فضلی سنز سے شائع ہوئیں اب الجمیعت پبلشرز شائع کررہا ہے۔

(۳۴) سید سلیمان ندوی، حیات شبلی۔ اس کتاب سے ہندوستان میں جدیدیت کی پوری تاریخ کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ جدیدیت نے علماء میں کیسے اثر ونفوذ کیا اور روایتی علماء نے اس کی کتنی زبردست مزاحمت کرکے دینی علوم کو کتنی قربانیوں کے بعد زندہ کیا

(۳۵) ڈاکٹر سی ڈبلیو ٹرول سرسید احمد خان فکر اسلامی مترجم اکرام چغتائی یہ ڈاکٹر ٹرول کا سرسید کے علم الکلام پر پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جو انگریزی زبان میں آکسفرڈ بھارت نے شائع کیا۔ اکرام صاحب نے اسی انگریزی متن کا اردو ترجمہ کیا ہے عہد جدید کے تمام کلامی مفکرین کے دلائل سرسید کا سرقہ ہیں یہ کتاب ان دلائل سے آگاہ کرتی ہے۔ جدید علم کلام کا متجددانہ مکتب فکر جو مغرب کے اعتراضات کا جواب دینے کے بجائے ان اعتراضات کو قبول کرنے کی ذمہ داری تسلیم کرتا ہے مولوی کرامت علی ہگلی والے اور سرسید سے شروع ہوا تمام متجددین اسی کے خوشہ چین ہیں سرسید

نے جدید علم کلام پر جو کچھ لکھا اور بے شمار لکھا ان کے دلائل ہی اہل قرآن سے لے کر غامدی صاحب کا سرمایہ ہیں یہ اس میں کچھ اضافہ نہ کرسکے لہٰذا علماء حیات جاوید کے ساتھ اس کتاب کا باقاعدہ مطالعہ کریں تو انھیں متجددین کے تمام دلائل کا بخوبی اندازہ ہوجائے گا۔

(۳۶) جے الول کی کتاب Technological Society اور دیگر کتب

(۳۷) Mumfard کی کتابیں جو جدید شہر، جدید سائنس، گھڑی کی ایجاد وغیرہ موضوعات پر معرکہ آرا مباحث پیش کرتی ہیں۔ ممفرڈ کی کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ Art and Technics.

۲۔ Technics and Civilization

۳۔ The City In History

۴۔ Critics of Culture and Civilization

۵۔ The highway and the city:essays

۶۔ Understanding Lweis : A guide for the Perplexed

۷۔ In Old Friendship: The Correspondence of Lweis Mumford and Henry

ممفرڈ کے خطوط بھی شائع ہوئے ہیں۔ ان خطوط میں ہمیں ایسے مباحث ملتے ہیں جو آنکھیں کھول دیتے ہیں ان کا مطالعہ فکر ونظر کے بہت سے دریچے وا کردے گا۔ خطوط کا مجموعہ The old friendship کا مطالعہ کیا جائے۔

جدیدیت، صنعتی ترقی، سرمایہ دارانہ نظام نے اس کرہ ارض کے خاتمے کا اعلان کردیا ہے اس سلسلے میں دو اہم کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے جس سے سائنس، ترقی اور سرمایہ دارانہ نظام کے باعث ماحولیاتی آلودگی، قدرت اور فطرت اور اس میں خوبصورت کائنات کی تباہیوں کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۳۸) An inconvenient Truth.ALGORE

۳۹۔ This Changes every thing Capitalism Vs, The Climate Moamy Clane

اس کے علاوہ ماحولیات کی تباہی پر سینکڑوں کتابیں، رپورٹیں موجود ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے۔ اس فہرست میں ہم نے اسلامی علوم کی اہم عربی، فارسی کتابوں کی فہرست نہیں دی کیونکہ علماء ان

سے بخوبی واقف ہیں لیکن اس مضمون کی کتابی شکل میں اشاعت کے وقت ہم اہم دینی کتب کے حوالے اور عبارتیں بھی درج کریں گے جس سے اندازہ ہوگا کہ ہمارے اسلاف نے صدیوں پہلے عہد حاضر کے فتنوں سے مقابلے کے لئے کتنے سنہری اصول، افتاء کے کیسے کیسے طریقے، اور تنقید و تنقیح کے کیسے نادر اسالیب اس امت کو سکھا دئے تھے افسوس ہے کہ ہم اس روشنی کو پوری دنیا میں اس طرح نہیں پھیلا سکے جیسا کہ اس کام کا تقاضا تھا نہ اصولوں کو عہد حاضر میں ہم پیش نظر رکھ سکے۔

سردیوں میں اسکول ساڑھے سات بجے کیوں لگتا ہے؟

آخری بات جو اس گفتگو کا تتمہ ہے وہ صرف ایک سوال ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان میں سرما کے موسم میں اسکول گرما کے اوقات پر ہی کیوں لگتا ہے؟

اس میں کیا شک ہے کہ کاغذوں پر۔۔۔ پاکستان ایک ایسی اسلامی ریاست ہے جہاں سردیوں میں اسکول کے اوقات تک نہیں بدلے جاتے حالانکہ سردیوں میں فجر کی نماز پونے سات بجے ہوتی ہے پاکستان ایک اسلامی ملک ہے جہاں معاشرہ اور معاشرت اسلامی ہے اگر اسکول کے اوقات ساڑھے آٹھ بجے کر دیے جائیں تو تمام بچے فجر کی نماز مسجد میں ادا کر سکتے ہیں لیکن فجر کی نماز پڑھنا پڑھانا نہ ماں باپ کا مسئلہ ہے نہ ریاست کا نہ سیاسی جماعتوں کا۔ اسلامی اسکول بھی سردی میں صبح ساڑھے سات بجے لگتے ہیں کوئی یہ سوچنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ سردیوں میں جب باجماعت نماز کھڑی ہوتی ہے تو بچے اسکول کی بسوں میں سوار ہو رہے ہوتے ہیں آج تک کسی سیاسی جماعت نے بھی کبھی مطالبہ نہیں کیا کہ سردیوں میں اسکول کے اوقات بدل دیے جائیں یہ ہمارا مسئلہ ہی نہیں ہے بچہ نماز پڑھے یا نہ پڑھے کیا ہم بھی لبرل ہو گئے ہیں؟

مسجد مدرسہ اذان ایمان علماء کے دم سے ہے

یہ اذان یہ نماز یہ اسلام آج بھی صرف اور صرف علماء کے دم سے قائم ہے اور انشاء اللہ قیامت تک مدارس مساجد اور علماء کے دم سے قائم و دائم رہیں گے صبح محشر تک یہ زمین اللہ اور اس کے رسول کے کلمات سے منور و معمور رہے گی علماء کی کم زوریوں خامیوں کے باوجود وہی اس دین کے اصل نگہبان ہیں تمام توقعات انہی سے ہیں ان کے وجود کے بغیر اسلام زندہ نہیں رہ سکتا حقیقت یہی ہے کہ علماء ہی رسالت مآب ؐ کی مسند اور ان کے علم کے اصل وارث ہیں۔ ان کی عزت ان سے محبت ان کی تقلید ان کی اتباع ہم سب کا دینی فریضہ ہے جو معاشرہ اور تہذیب علماء

کی عزت نہیں کرتی یا عزت تو کرتی ہے مگر ان کے حکم کی تعمیل نہیں کرتی۔ وہ تہذیب جلد یا بدیر صفحہ ہستی سے مٹادی جاتی ہے یا عبرت کی ایک شرمناک داستان کے اوراق کی طرح پارہ پارہ کر کے بکھیر دی جاتی ہے۔ اندلس اس داستان کا ایک ورق ہے اندلس کے سب سے بڑے امام اور خطیب نے الحمراء محل کی تعمیر کے خلاف جمعہ کی نماز میں خلیفہ وقت کے سامنے ایک معرکہ آراء تقریر کی یہ تقریر تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے اس نے خلیفہ کو یاد دلایا کہ الحمراء کی تعمیر، عاد، ثمود، فراعنہ مصر کا تمدن ہے یہ اللہ کو پسند نہیں ہے جو ان کی اتباع کرے گا اللہ اپنی مشیت کے مطابق ان کے آثار، عمارات، کو محفوظ رکھے گا لیکن ان کو صفحۂ ہستی سے مٹادے گا خلیفہ نے اس عظیم عالم کے خلاف کوئی کارروائی تو نہیں کی۔ لیکن الحمراء کی تعمیر کا کام ترک نہیں کیا الحمراء، مسجد قرطبہ، اندلس کی گلیاں، بازار، محلے عمارتیں سب محفوظ ہیں مسلمان نہ موجود ہیں نہ محفوظ۔ مسلمانوں کی حفاظت اسلام اور ایمان کرتا ہے۔ عمارتیں، آثار، مظاہر سائنس نہیں کرتے اگر ایسا ہوتا تو اندلس کے مسلمان جو سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور سائنس میں سب سے آگے تھے کبھی فنا نہ ہوتے آب بقاء پی لیتے افسوس ہم ابھی تک علماء کی تقلید کے لیے تیار نہیں۔

آخری بات: وقت بہت کم رہ گیا ہے

اس موقع پر نہایت افسوس کے ساتھ ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ شہید محبت رسول۔۔۔ حضرت والا ممتاز قادریؒ صاحب کی شہادت کے عظیم سانحے کو ہم نے ضائع کر دیا ہے یہ سانحہ بتاتا ہے کہ جدید سیکولر قانون عاشق رسول ﷺ کو شاتم رسول ﷺ کے قصاص میں قتل کرنے کی اجازت دیتا ہے یعنی عشق رسالت اب جرم ہے_ ہم شہباز شریف کی یقین دہانی پر یقین کرتے رہے کہ حضرت والا کو پھانسی کی سزا نہیں دی جائے گی مگر اسکے باوجود یہ سزا دے دی گئی_ ان کی شہادت پر پورے پاکستان میں غم واندوہ کی جو کیفیت طاری ہوئی جس طرح لاکھوں لوگ جنازے میں شرکت کے لئے آئے جس طرح پنڈی کے لوگوں نے ان کی مہمان نوازی بھی کی اس نے ثابت کر دیا کہ اس امت کی رگوں میں عشق رسالت ﷺ کا لہو سرد نہیں ہوا افسوس یہ ہے کہ اس لہو کو گرم رکھنے کے لئے ابھی تک ہم کوئی حکمت عملی مرتب نہیں کر سکے علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس امت کی اصلاح، اور اس زمین پر اس امت کو خیر امت بنانے کے لئے اپنی جدوجہد کے نئے دائرے نئے راستے تلاش کریں وقت بہت کم ہے سیکولر ازم، لبرل ازم کا سیلاب عشق

رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمعوں کو بجھانے کے لئے تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے ہم معلوم نہیں ابھی تک کس کے منتظر ہیں اگر ہم امیدوں اور وعدوں پر جیتے رہے تو۔۔۔وقت ہمارا انتظار نہیں کرے گا۔

[اس مقالے کی تیاری میں میرے محترم اساتذہ جناب ڈاکٹر عبدالوہاب سوری صاحب اور جناب فصیح صاحب ہمدرد یونیورسٹی کے افادات کا مرکزی حصہ ہے یہ جو کچھ تحقیق ہے ان کے ارشادات ، روشنی اور رہنمائی کا نتیجہ ہے ۔ میرے اساتذہ کرام کو اپنی خصوصی دعاؤں میں یادرکھیے۔بعض احباب نے استفسار کیا ہے کہ لاہور کے کسی طباعتی ادارے نے راقم کے مضامین مقالات جامی کے نام سے شائع کئے ہیں اور بعض لوگوں نے مقالات جامعی کے نام سے بھی کتابیں مرتب کی ہیں۔۔۔راقم واضح کرنا چاہتا ہے کہ اس نے آج تک کوئی کتاب شائع نہیں کی نہ کسی کو کتاب شائع کرنے کی اجازت دی ہے نہ ہی یہ کتابیں اور مقالات جن کا احباب ذکر کر رہے ہیں راقم کی نظر سے گزری ہیں۔ان کتابوں اور مقالات میں راقم کے نام سے کیا کچھ پیش کیا گیا ہے راقم اس سے بالکل ناواقف ہے ممکن ہے کچھ لوگوں نے مضامین ادھر ادھر سے جمع کر دئے ہوں مگر ان کی سند، انکی ذمہ داری انہی پر عائد ہوتی ہے۔راقم اپنی انہی تحریروں کی ذمہ داری قبول کرے گا جو وہ خود شائع کرے یا جو اس کی اجازت سے شائع کی جائیں ان کتابوں میں کیا کچھ رطب و یابس ہے کیا کچھ جمع کیا گیا ہے کیا کچھ حشو و زوائد ہیں اس کی پڑتال کے بغیر ان مجموعوں کے بارے میں کوئی رائے نہیں دی جا سکتی ہم ان مجموعوں کے مرتبین کے اخلاص میں شبہ نہیں کر سکتے مگر اس کام کی صداقت کی توثیق مطالعے کے بغیر ممکن نہیں لہذا ان مقالات اور کتابوں کے مطالعے سے حتراز کیا جائے یا راقم الحروف سے براہ راست رابطہ کیا جائے اور کوئی اشکال ہو تو رائے قائم کرنے سے پہلے راقم سے تحریری طور پر پوچھ لیا جائے کیونکہ انٹرنیٹ اور فیس بک کے گرد و غبار میں بڑے بڑے شہسوار۔گھوڑے تلوار اور لشکر کے ساتھ گم ہو جاتے ہیں حال ہی میں چند دوستوں نے مجھے انٹرنیٹ پر ایک صاحب کی آراء میرے بارے میں ارسال کیں جن میں میرے عقیدے کو فاسد، باطل، آلودہ اور منہج اہل سنت سے مختلف ثابت کیا گیا تھا اس میں یہ دعویٰ بھی تھا کہ وہ میرے پاس آتے رہے ہیں یہ تمام دعوے غلط ہیں کسی کے عقیدے کے باب میں کوئی رائے دینے سے پہلے اس سے تحریری زبانی وضاحت حاصل کرنا ضروری ہے اگر وہ زندہ

ہے ان صاحب نے کبھی مجھ سے میرا عقیدہ نہیں پوچھا۔الحمدللہ راقم صرف منہج اہل سنت کو درست سمجھتا ہے قرآن سنت اجماع قیاس کو ماخذات دین سمجھتا ہے عدالت صحابہ حجت ہے اجماع صحابہ اور اجماع امت بھی حجت ہے راقم ہر اس فکر عقیدے نظریے کو باطل سمجھتا ہے جو منہاج اہل سنت کے منافی ہے انہی صاحب نے یہ ارشاد بھی فرمایا کہ راقم فوکالٹ کے نظریات پھیلاتا ہے فوکالٹ پوسٹ ماڈرنسٹ فلسفی ہے اور راقم کی نظر میں ماڈرن ازم اور پوسٹ ماڈرن ازم فلسفے جاہلیت خالصہ اور کفر ہیں جو ان پر ایمان رکھتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے راقم کی پوری زندگی جدید مغربی فلسفے انسانی حقوق کے منشور اور مغرب کے مسلط کردہ سیاسی معاشی ثقافتی مالی فکری نظام کے خلاف جدوجہد میں بسر ہوئی ہے اسے فوکالٹ کا مقلد قرار دینا بدترین قسم کی خیانت ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی خیانت سے محروم رکھے ان صاحب سے عاجزانہ درخواست صرف یہ ہے کہ اگر راقم کی کسی تحریر یا تقریر سے ان کو غلط فہمی ہوئی ہے تو اس خاکسار سے تحریری طور پر یا زبانی یا فون پر یا انٹرنیٹ پر براہ راست رابطہ کریں اس سے براہ راست سوالات کریں قیاس گمان اندازوں پر نہ چلیں موصوف نے یہ بھی ارشاد کیا کہ وہ علماء کا دشمن ہے میرے خیال میں ہمیں ان کی نیک نیتی اخلاص میں کوئی شبہ نہیں لیکن علم دین ہمیں ایک ذمہ دارانہ طرز زندگی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے اور ہم اس کے پابند ہیں]۔